درس حدیث
محمد اظہر مدنی

سحری کھانے میں کوتاہی نہ کریں

عن انس بن مالک رضی الله تعالیٰ عنه قال: قال رسول الله صلی الله علیه وسلم: تسحروا فان فی السحور برکة (متفق علیہ)

انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سحری کھایا کرو بیشک سحری میں بڑی برکت ہے۔

اسلام نے عبادت کرنے کا حکم دینے کے ساتھ انسان کی صحت کا کافی خیال رکھا ہے۔ روزہ رکھنے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ روزہ دار دن ورات بھوکا رہے۔ بلکہ روزہ کا مقصد یہ ہے کہ روزہ دار کے اندر اللہ کے احکام پر عمل کی صورت میں اس کے فوائد نظر آئیں اور بندہ اپنے پروردگار کا مطیع وفرمابردار بن جائے۔ایک مدت تک بھوکا رکھنے کے حکم میں بھی مصلحت ہے اور پھر ایک خاص وقت پر افطار کرنے کے حکم میں بھی مصلحت ہے۔اور اپنے بندہ کے بارے میں اللہ سے بہتر کون جانا سکتا ہے۔اسلام روزہ دار کو اس مصلحت کا پابند بنانا چاہتا ہے۔ یہ حقیقت ہے کہ بھوکا رہنا کوئی معمولی بات نہیں ہے اور ایسا دیکھا جارہا ہے کہ جولوگ کھانے پینے سے خاص طور سے جو کسی نشہ آور عمل کے عادی ہوتے ہیں ان کے لئے تو عام دنوں میں بھی بھوکا رہنا کافی دشوار کن ہوتا ہے لیکن روزہ دار جو اللہ کے احکام پر عمل کو اپنے ایمان کا حصہ سمجھتا ہے اس کے لئے دن ورات رکھنا بھی مشکل نہیں ہے لیکن اصل عبارت وہی ہے اور اسی عبادت کا ثواب ملتا ہے۔ جو اللہ کے بتائے گئے طریقے کے مطابق عمل کیا جائے یعنی افطار کے وقت افطار اور روزے کے وقت روزہ۔

مثال کے طور پر شریعت نے روزہ دار کو سحری کھانے کا حکم دیا ہے۔اس لئے کوئی بھی روزہ دار بغیر سحری روزہ کو معمول نہیں بنا سکتا۔ دین اسلام نے سحری کھانے کا حکم دے کر اور دیر سے کھانے کی تلقین کر کے بندے کی صحت کا لحاظ کیا ہے۔

احادیث کی کتابوں میں سحری کھانے سے متعلق متعدد روایتیں ہیں جن میں سحری کھانے کی فضیلت اور حکمت کو بیان کیا گیا ہے۔سحری کھانے کی ایک حکمت یہ بھی ہے، تاکہ دیگر مذاہب کے روزہ اور امت مسلمہ کے روزہ کے درمیان میں واضح تمیز پیدا ہو جائے۔صحیح مسلم میں عمرو بن عاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے۔**قال رسول الله صلی الله علیه وسلم: فصل ما بین صیامنا و صیام اهل الکتاب اکلة السحر** یعنی اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ مسلمانوں کے روزہ کے درمیان اور اہل کتاب (یہود ونصاری) کے روزہ میں فرق سحری کا ہے۔ اہل کتاب کو روزہ رکھنے کے لئے سحری کھانے کا حکم نہیں ہے۔اسی طرح سے افطار کے وقت میں بھی تفاوت ہے۔

مسند احمد کی ایک روایت میں ہے عبداللہ بن حارث رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب میں سے ایک صحابی اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اس وقت پہنچے جب اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سحری کھا رہے تھے۔اس موقع پر اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: سحری کھانے میں برکت ہے یہ اللہ تعالیٰ نے تم کو خصوصی طور پر عنایت کی ہے اس لئے سحری نہ چھوڑا کرو۔

جیسا کہ اوپر کہا گیا ہے کہ سحری کھانے کا حکم دے کر شریعت نے روزہ دار کی صحت وتندرستی کا خیال رکھا ہے اور جدید سائنس بھی یہی کہتا ہے کہ زیادہ دیر تک بھوکا رہنے سے صحت پر کافی منفی اثر پڑتا ہے۔سحری کھانے میں شریعت کے حکم پر عمل کے ساتھ صحت وتندرستی کی حفاظت بھی ہے اس لئے ہم سبھی روزہ داروں کو سحری کھانے میں کسی طرح کی کوتاہی نہیں کرنی چاہیے بلکہ سحری کی برکت کو حاصل کرنے کی کوشش کرنی چاہیے تاکہ روزہ کی حالت میں چاک وچوبند رہیں اور اس مہینہ میں زیادہ سے زیادہ اللہ کی عبادت کر سکیں اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہمیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کے مطابق سحری کھانے اور اس کی برکت حاصل کرنے کی توفیق ارزانی عطا فرمائے۔ ☆☆

اداریہ

اصغرعلی امام مہدی سلفی

رمضان - برکتوں کا مہینہ

ماہ مبارک رمضان جوہم پر سایہ فگن ہوا چاہتا ہے اور شاید اس کے حلول و دخول کرتے ہی ہمارے معزز قارئین کرام کے ہاتھوں میں ان کی محبوب وقدیم ترین بلکہ ہندوستان کی پہلی مسلم تنظیم مرکزی جمعیت اہل حدیث (آل انڈیا اہل حدیث کانفرنس) کے نقیب پندرہ روزہ جریدہ ترجمان کا یہ شمارہ ہوگا اور باصرہ نوازی کے شرف سے گذر رہا ہوگا۔ یہ وہ ماہ مبارک ہے جس کے آنے سے چھ ماہ قبل سے ہی اسلاف کرام اس کو پانے کی دعا مانگا کرتے تھے اور اس کے گذر جانے کے بعد چھ ماہ تک اس کی قبولیت کے لیے اپنے رب کریم کے دربار میں دست دعا دراز کئے رہتے تھے، یہ وہ ماہ مبارک رمضان ہے جو اپنی ہر طرح کی خوبیوں، برکتوں اور امتیازات، فرائض وتطوعات اور نوافل و مستحبات کا موسم بہار اپنے جلو میں لے کر آتا ہے۔ گویا جنت میں دخول کے لیے جتنے وسائل و ذرائع ہوسکتے ہیں سب فراہم وفراواں ہوتے ہیں۔ اس مہینے میں جنت کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں اور اس میں داخل ہونے کے سامان بھی اتنے ہی زیادہ کردیئے جاتے ہیں کہ ان کو اختیار کرکے جو چاہے اسپیشل گیٹ باب الریان سے داخل ہوجائے عام عبادات کے ذریعہ، زکوۃ وصدقات کے ذریعہ، اور اوراد وظائف کے ذریعہ، تلاوت قرآن کرکے، اس کے معانی ومطالب کو سمجھ کرکے، اس میں غور وفکر کرکے، اس کی تعلیم کو عام کرکے، اور اس کو سیکھ سکھا کر، اس پر عمل پیرا ہوکر اور اس کو ساری دنیا میں عام کرکے، کیونکہ رمضان ماہ قرآن کریم بھی ہے۔

اس میں لوگوں کو کھانا کھلانا خصوصا بھوکے پیاسے روزہ داروں کو، انتہائی درجے کی نیکی کا کام ہے، اللہ تعالی نے فرمایا کہ جس نے بھوک کی حالت میں لوگوں کو کھانا کھلایا اس نے بڑی گھاٹی کو سر کرلیا، اور جس نے کسی کی گردن آزاد کردی یعنی غلام آزاد کردیا تو اس نے جہنم سے آزادی حاصل کرلی۔ آج کے دور میں زرخرید غلاموں کا رواج نہیں، لیکن کتنے ہی لوگ ہیں جو قرضوں کی پاداش

مدیر مسئول

اصغرعلی امام مہدی سلفی

مدیر

مولانا محمد خورشید عالم

مدیر اعزازی: مولانا رضاء اللہ عبدالکریم مدنی

مجلس ادارت

مولانا محفوظ الرحمن فیضی　مولانا شہاب الدین مدنی　ڈاکٹر سعید احمد مدنی

مولانا اسعد اعظمی　مولانا طہ سعید خالد مدنی　مولانا انصار زبیر محمدی

اس شمارے میں

درس حدیث	۲
اداریہ	۳
رمضان المبارک تلاوت قرآن کا مہینہ ہے	۶
رمضان المبارک کے فضائل واحکام	۸
کلمہ شہادت ''لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ'' کی شرطیں	۱۴
مہر نبوت	۱۷
دعوت الی اللہ اور ہماری ذمہ داری (۲)	۱۸
پنورہواں آل انڈیا ریفریشر کورس	۱۹
عورت کے حقوق کی اسلامی حمایت وصیانت اور اس کی شہادت وگواہی	۲۰
علامہ محمد رئیس ندوی رحمہ اللہ کی افتاء نویسی: منہج اور طریقہ کار	۲۵
جماعتی خبریں	۲۹
اعلان داخلہ (المعهد العالي للتخصص في الدراسات الاسلامیه)	۳۱
اپیل	۳۲

مضمون نگار کی رائے سے ادارہ کا متفق ہونا ضروری نہیں ہے

بدل اشتراک

سالانہ ______ ۱۵۰/روپے

فی شمارہ ______ ۷/روپے

پاکستان ______ ۵۰۰/روپے

بلاد عربیہ ودیگر ممالک سے ۳۵ ڈالر یا اس کے مساوی

مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند

اہل حدیث منزل ۴۱۱۶، اردو بازار، جامع مسجد، دہلی ۔ ۱۱۰۰۰۶

www.ahlehadees.org ویب سائٹ

jaridahtarjuman@gmail.com ترجمان ای میل

jamiatahlehadeeshind@hotmail.com جمعیت ای میل

میں بدنامی اور قرض دینے والے کے احسان اور سختی کی وجہ سے گراں بار ہیں، بوجھ سے دبے چلے جارہے ہیں، کتنے ہی مزدور ہیں جو چلچلاتی دھوپ، کام کے بوجھ اور روزے میں بھوک و پیاس سے نڈھال ہوجاتے ہیں، انتہائی مشقت سے روزی کماتے ہیں، یا نوکری کرتے ہیں، ایسے روزے داروں پر کام کو ہلکا کردینا اور ڈیوٹی میں قدرے تخفیف کردینا بہت کارثواب ہے اور گردن آزاد کرنے کا ایک طریقہ یہ بھی ہے۔ کتنے مریض ہیں جو عیادت واعانت کے محتاج ہیں، ان کا علاج ومعالجہ اس ماہ مبارک میں کئی طرح کی نیکیوں کا پیش خیمہ ہے، اور روز روز کے کتنے جھگڑے ہیں جو جنم لیتے رہتے ہیں، ان سے مکمل نجات کا یہ مہینہ ہے، اس ماہ مبارک میں بندہ جس طرح جسمانی وظاہری طور پر کھانے پینے کی تمام چیزوں سے اپنے آپ کو روک لیتا ہے وہ روحانی طور پر بھی تمام ممنوعات اور بری چیزوں سے اپنے آپ کو باز رکھتا ہے، بلکہ جس طرح سے وہ حلال کمائی اور محنت ومزدوری سے کمائی ہوئی روزی کا بھی رمضان کے دنوں میں ایک دانہ نگل لینے کو حرام گردانتا ہے، ناجائز کہتا ہے، ناقض روزہ قرار دیتا ہے، حلال اور پاک پانی کے چند قطرے کو بھی حلق سے اتارنے سے ڈرتا ہے مبادا اس کا روزہ ٹوٹ جائے گا، اس سے زیادہ وہ جھوٹ، چغلی، غیبت، حسد، کینہ، لڑائی جھگڑا، مخالفت ومخاصمت اور ہر طرح کی فحاشی و برائی سے بچنے کی اور زیادہ کوشش کرتا ہے، بلکہ اس سے کوئی لڑائی جھگڑا، گالی گلوچ کرنے پر تلا ہوا بھی ہو اور اس پر اتارو ہو تو بھی وہ جواباً اس سے برسرپیکار کیا ہوتا ہے کہ وہ صاف صاف کہہ کر گذر جاتا ہے کہ میں تو صائم ہوں۔ جب میں حلال اور جائز چیزوں کو اپنے رب کی رضا کی خاطر چھوڑ چکا ہوں تو بھلا لڑائی جھگڑا جو بذات خود کفریہ کام ہے، فسادات کی جڑ ہے اور گالی گلوچ جو فسق وفجور کا کام ہے، وہ کیسے کرسکتا ہوں؟ پھر ایسے روزہ کی ضرورت ہی کیا ہے؟ ہمارے رب کریم وپاک کے یہاں ایسی گندی اور گھناؤنی باتوں کی گنجائش ہی کہاں ہے؟ اسے تو ایسے روزوں کی چنداں ضرورت ہی نہیں ہے جس میں انسان برائیوں، جھوٹی باتوں اور غلط کاموں سے نہ بچے اور صرف بھوکا پیاسا رہ کر روزہ رکھے، ارشاد گرامی مصطفیٰ ہے:

”من لم يدع قول الزور والعمل به فليس لله حاجة ان يدع طعامه وشرابه“ (رواہ البخاری) یعنی اگر کوئی شخص جھوٹ بولنا اور دغابازی کرنا نہ چھوڑے تو اللہ تعالیٰ کو اس کی کوئی ضرورت نہیں کہ وہ اپنا کھانا پینا چھوڑ دے“

لہٰذا جب رمضان کے مہینہ میں ہر طرح کے جھگڑے اور فساد کو ترک کرکے برا سے برا معاشرہ اور سوسائٹی خالص ایمانی اور انسانی بن جاتا ہے تو ایسے میں اشخاص، گھر، خاندان جماعت اور قوم وملت حتی کہ اقوام عالم کے خلاف بھی کسی طرح کے جھگڑے اور لڑائی کو ختم کردینے کا پیغام ماہ صیام میں عام ہوجانا چاہئے۔ جھگڑے تو باتوں سے شروع ہوتے ہیں، اور بسا اوقات دو شخصوں کے درمیان کلامی لڑائی سے ہی گالی گلوج اور ہاتھا پائی کی نوبت آتی ہے، پھر قتال وضرب کی نوبت اور تلوار وہتھیار کی بات ہونے لگتی ہے، دیکھتے دیکھتے پورا قبیلہ اس آگ کا ایندھن بننا شروع ہوجاتا ہے، دو ملکوں کے درمیان بھی یہی ہوتا ہے۔ روزے میں اس کی تربیت وتعلیم اور تزکیہ بلکہ اس عنصر کو ہی ختم کرنے کی ٹریننگ ہوجاتی ہے۔

رمضان المبارک کا مہینہ اس واسطے بھی اہم ترین ہے کہ عامۃ المسلمین اس ماہ مبارک میں صدقہ وخیرات دل کھول کر کرتے ہیں، ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم یوں تو بڑے سخی وفیاض تھے ہی لیکن اس مہینہ میں اور زیادہ سخی وفیاض ہوجاتے تھے، اور آپ کا جذبہ بذل وانفاق ہواؤں کی رفتار اختیار کرلیتا تھا، آپ کی امت بھی صدقہ وخیرات کرنے میں سبقت کرنے والی ثابت ہوئی ہے، اس دور انحطاط وتنزل، دین بیزاری اور دنیاداری میں بھی لوگوں کی داد ودہش کا یہ عالم ہے کہ وہ اپنے مدارس، مساجد، مکاتب اور دیگر رفاہی، دینی، سماجی اور ملی اداروں کو دل کھول کر مدد وتعاون پیش کرتے ہیں۔ اس دور میں دین وشریعت کے اہم قلعے مدارس اسلامیہ کی تقریباً مکمل کفالت، رمضان المبارک میں لوگوں کے زکوٰۃ وخیرات کے علاوہ دیگر عطیات سے ہوتی ہے۔ پورے ہندوستان میں پھیلے ہوئے ہزاروں اور لاکھوں مدارس ومکاتب اور جامعات اپنے پورے سال کے اخراجات اسی ماہ مبارک میں جمع کرتے ہیں اور پچھلے سال کے قرضہ جات کی ادائیگی کا سامان بھی اسی ماہ مبارک میں ہی بہم پہنچاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اہل مدارس کی کوشش کو شرف قبولیت سے نواز دے، اور محسنین ومخیّرین ومزکین کو اس کا بہترین بدلہ عطا فرمائے، جو جذبہ خیر سے سرشار ہوکر دینی مدارس کی بقا وتحفظ کا خیال کرکے اپنی دولت کے دریا بہاتے ہیں، اپنے مال کی پائی پائی کا حساب کرکے زکوٰۃ نکالتے ہیں اور غرباء وفقراء ومساکین اور خصوصاً محتاج طلبہ کی مدد کرتے ہیں جو حصول علوم دین کے لیے شب وروز محنت کرتے ہیں، اور جو کہتے ہیں کہ:

ہمیں دنیا سے کیا مطلب، مدرسہ ہے وطن اپنا
مریں گے ہم کتابوں پر ورق ہوگا کفن اپنا

ان مدارس وجامعات کی مدد دین اسلام کی آبیاری کے لیے بیحد اہم اور ضروری ہے، جولوگ ان مدارس کی شان کم کرنا چاہتے ہیں اور جن کو ان کی اہمیت وضرورت سمجھ میں نہیں آتی ، اللہ تعالی ان کو سچی اور صحیح سمجھ دے۔ اہل مدارس حقیقت میں ملک وملت سب کے حق میں مفید اور نفع بخش ہیں، بلکہ ایک بہترین اور ایمان دار شہری بننے بنانے میں مدارس کا کردار ہر دور میں اہم رہا ہے۔ ہر دور میں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے کام کو اس کے ضابطے اور اصولوں کی روشنی میں فریضے کے طور پر ادا کرتے رہنے کا حوصلہ انہی مدارس کے خوشہ چینوں کو رہا ہے، دوسرے یا تو کرتے نہیں یا کرتے ہیں تو فتنہ وفساد کا ذریعہ بنتے ہیں۔ راسخین فی العلم مدارس میں پیدا ہوتے ہیں اور وہی علم کے تقاضے کو پورا فرماتے ہیں۔ جولوگ گہرا علم شریعت نہیں رکھتے اور جو دین کو صحیح طور پر نہیں جانتے وہ بیحد خطرناک ثابت ہوتے ہیں، تاریخ میں اس کی بہت سی مثالیں مل جائیں گی۔

نکاح وطلاق سے لے کر روزہ، نماز، میراث کی تعلیم وتربیت کے ساتھ ساتھ تمام اسلامی آداب واخلاق اہل مدارس ہی سکھاتے ہیں۔خلق خدا کے ساتھ ان کا برتاؤ اور سلوک انتہائی بہتر ہوتا ہے۔

آج مدارس کو کمزور کرنے کا کام خود مسلمان کر رہے ہیں، وہ ان کی مدد کرنے کے بجائے ان پر اعتراضات کی بارش کرتے ہیں۔ افسوس کا مقام تو یہ ہے کہ بعض وہ حضرات جو ان دینی مدارس میں زکوۃ وخیرات کھا کر پلے بڑھے ہیں اور مفتی وباحث بنے پھر رہے ہیں ان کو اس وقت مدارس کو زکوۃ کا دینا اتنا زیادہ حرام کام نظر آرہا ہے کہ گویا وہ سب سے بڑا منکر ہو۔ وہ اس سلسلے میں خلط مبحث اور خبط مضامین بلکہ مغالطے کے شکار ہیں۔ اللہ تعالی کے واسطے انہیں اس اقدام سے باز آنا چاہئے۔

اسی طرح بعض حضرات اس وقت منصب وکرسی کا سہارا لے کر اور بعض اعذار واسباب کو سامنے رکھ کر مدارس کے حق میں منفی سوچ کا شکار ہیں اور ان کے خلاف ہرزہ سرائی سے بھی باز نہیں آرہے ہیں۔ بعض ایسے بھی واقع ہوئے ہیں جو منصب وکرسی کے لیے سگان دنیا سے بھی زیادہ نوکیلے دانتوں کو تیز کر کے اور جبڑوں کو پھیلا کر مدارس ہی کو اپنا نشانہ وتر نوالہ بناتے ہیں۔ اپنی قوت وطاقت کے مظاہرے کے لیے یہ سلفیت کے مناد اور زکوۃ وخیرات کے پروردہ میرے بھائی اپنی زندگی کا سب سے پہلا کارنامہ اور ثواب کا کام اصلاح کے جذبہ سے سرشار ہوکر اپنی تقریر وتحریر کے ذریعہ انہی مدارس کا چندہ رکوا کر انجام دیتے ہیں۔ ان ناعاقبت اندیشوں اور بدخواہوں کو آخر نفسانیت اور غرور نفس نے کس قدر ورغلا رکھا ہے، اس سلسلہ میں اس طرح کے مجرمانہ فیصلے کرتے ہوئے ان کو اللہ تعالی کا خوف چھو کر بھی نہیں گیا ہے، ورنہ یہ ایسا اقدام اپنے محسن مدارس وجامعات کے ساتھ ہرگز نہ کرتے، ادنی خوف الہی اگر ہوتا تو سو بار سوچتے۔ اللہ تعالی پر یقین ان کو نہیں ہے۔ اپنے سطحی علم، چند پیسے جو اسی قبیل سے آئے، تھوڑی سی پونجی، سفید پوشی اور قوم کی تھوڑی سی دی ہوئی عزت ووقار نے ان کا سر غرور سے اتنا اونچا کر دیا ہے کہ نہ اب جماعت ہے نہ جمعیت ہے، نہ بڑے کی تمیز ہے نہ چھوٹے کا پاس ولحاظ، آہ یہ کیسا زمانہ آیا ہے؟! ان میں سے بعضوں کو دیر سے غلطی کی سوجھی یا سجھائی گئی تو سیدھے سیدھے اس سے تائب ہونے کے بجائے وہی مکر بازی، حیلہ سازی اور پینترا بازی کہ ہم کو مدارس سے بڑی ہمدردی ہے، مگر چندہ دینے سے روکنا اور اہل مدارس کو اپنی حکمرانی، زمین داری اور حدود سلطنت میں نہ داخل ہونے دینے کی دھمکی اور فرعونیت کسی مجبوری اور عذر کی وجہ سے ہے اور وہ ہے صوبائی جمعیتیں؟ یعنی چوری اور سینہ زوری، عذر گناہ بدتر از گناہ اور ''رمتني بدائها وانسلت''وغیرہ کے قبیل سے ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کو ایسی سمجھ اور اقدام سے باز رہنے کی توفیق دے اور مرکزی جمعیت کو جس انداز میں اور جس طرح وہ کذب بیانی ودھمکی کے ذریعہ الزام دے کر ملوث کر رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کو ہدایت دے۔

اللہ تعالی ہمارے تمام بھائیوں کو عقل سلیم اور قلب سلیم دے اور کبر وعجب اور تحقیر وتذلیل سے بچنے کی توفیق ارزانی فرمادے۔ مدارس پر اپنوں کے ہویٰ وہوس کی قہر سامانی اور خود منتسبین مدارس کی چندہ خورانی اور اغیار کی ظلم وستم رانی سے اللہ تعالی سب کو نجات دے دے اور صحیح سمجھ عطا فرمادے۔

☆☆☆

پندرہ روزہ جریدہ ترجمان دہلی

مولانا محمد محب اللہ بن محمد سیف الدین المحمدی

رمضان المبارک تلاوت قرآن کا مہینہ ہے

یہ رمضان المبارک کا مہینہ ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے قرآن مقدس کو نازل فرمایا ہے۔اوراللہ تعالیٰ نے تلاوت قرآن کا حکم بھی دیا ہے۔

إِنَّمَا أُمِرْتُ أَنْ أَعْبُدَ رَبَّ هَذِهِ الْبَلْدَةِ الَّذِیْ حَرَّمَهَا وَلَهُ كُلُّ شَیْءٍ وَأُمِرْتُ أَنْ أَكُونَ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ (91)وَأَنْ أَتْلُوَ الْقُرْآنَ فَمَنِ اهْتَدَى فَإِنَّمَا يَهْتَدِیْ لِنَفْسِهِ وَمَن ضَلَّ فَقُلْ إِنَّمَا أَنَا مِنَ الْمُنذِرِيْنَ (92)[النمل 91-92]

مجھے تو بس یہی حکم دیا گیا ہے کہ میں اس شہر کے پروردگار کی عبادت کرتا رہوں جس نے اسے حرمت والا بنایا ہے جس کی ملکیت ہر چیز ہے اور مجھے بھی فرمایا گیا ہے کہ میں فرماں برداروں میں ہوجاؤں۔

اور میں قرآن کی تلاوت کرتا رہوں، جو راہ راست پر آجائے وہ اپنے نفع کے لئے راہ راست پر آئے گا۔اور جو بہک جائے تو کہہ دیجئے! کہ میں صرف ہوشیار کرنے والوں میں سے ہوں۔وَاتْلُ مَا أُوحِيَ إِلَيْكَ مِن كِتَابِ رَبِّكَ لَا مُبَدِّلَ لِكَلِمَاتِهِ وَلَن تَجِدَ مِن دُونِهِ مُلْتَحَدًا[الکہف،۲۷)

تیری جانب جو تیرے رب کی کتاب وحی کی گئی ہے اسے پڑھتا رہ اس کی باتوں کو کوئی بدلنے والانہیں تو اس کے سوا ہر گز ہر گز کوئی پناہ کی جگہ نہ پائے گا۔

اتْلُ مَا أُوحِيَ إِلَيْكَ مِنَ الْكِتَابِ وَأَقِمِ الصَّلَاةَ إِنَّ الصَّلَاةَ تَنْهَى عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنكَرِ وَلَذِكْرُ اللَّهِ أَكْبَرُ وَاللَّهُ يَعْلَمُ مَا تَصْنَعُونَ[العنکبوت۴۴-۴۵]

جو کتاب آپ کی طرف وحی کی گئی ہے اسے پڑھئے اور نماز قائم کریں یقیناً نماز بے حیائی اور برائی سے روکتی ہے بیشک اللہ کا ذکر بڑی چیز ہے جو کچھ تم کر رہے ہو اس سے اللہ خبردار ہے۔

امام شوکانی رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو (اور رسول کے امت بھی مخاطب ہیں) کہ جو کتاب وحی کی گئی ہے اس کی تلاوت پر مداومت کریں۔(تفسیر شوکانی ،سورہ الکہف 27 نمبر آیت)

آیات قرآنیہ واحادیث نبویہ پر غور کرنے سے پتہ چلتا ہے کہ تلاوت قرآن کی کتنی اہمیت ہے بلکہ تاکیدی حکم ہے۔

محترم قارئین۔اللہ تعالیٰ نے رمضان میں قرآن مجید نازل کرنے کا ذکر کر کے قرآن اور رمضان کا خصوصی تعلق بتادیا۔

جیسا کہ حدیث میں ہے۔

عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سب سے زیادہ سخی تھے اور رمضان میں جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے جبرائیل علیہ السلام کی ملاقات ہوتی تو آپ کی سخاوت اور بھی بڑھ جایا کرتی تھی۔ جبرائیل علیہ السلام رمضان کی ہر رات میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات کے لیے تشریف لاتے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ قرآن مجید کا دور کرتے۔اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خیر و بھلائی کے معاملے میں تیز چلنے والی ہوا سے بھی زیادہ سخی ہوجاتے تھے۔

(رواہ البخاری (6) واللفظ لہ، ومسلم (2308))

حافظ ابن رجب رحمہ اللہ نے فرمایا کہ یہ حدیث رمضان المبارک میں قرآن کے مدارسہ (یعنی قرآن پڑھنے پڑھانے معانی ومفاہیم سمجھنے اور سمجھانے اور اس پر عمل کرنے)اور قرآن پر غور وتدبر کیلئے اکٹھا ہونے اور قرآن کو جو زیادہ تجوید ومخارج کے ساتھ اتقان کے ساتھ پڑھنا جانتا ہے اس پر قرآن پیش کرنے اور اس سے سیکھنے کے استحباب پر دلالت کرتا ہے۔اور اس حدیث میں اس بات کی طرف بھی اشارہ ہے کہ ماہ رمضان میں کثرت سے تلاوت قرآن مستحب ہے۔

(بحوالہ۔» لطائف المعارف «(ص:242-243):

اور حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے فرمایا۔رمضان المبارک کے مہینے میں کثرت سے قرآن مجید کی تلاوت کرنا مستحب ہے اسلئے کہ نزول قرآن کی ابتداء اسی ماہ مبارک میں ہوئی تھی ،اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہر سال ماہ رمضان میں جبرئیل علیہ السلام کو قرآن سناتے تھے اور قرآن مجید کا مدارسہ کرتے تھے۔جس سال نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوئی اس سال دو مرتبہ آپ نے جبرئیل علیہ السلام کو قرآن سنایا اور مدارسہ قرآن کیا تاکہ اچھی طرح قرآن ذہن میں محفوظ ہوجائے۔

حافظ ابن رجب رحمہ اللہ نے سلف سے منقول بعض ان آثار کا ذکر کیا جس میں یہ منع ہے کہ تین دن سے کم مدت میں قرآن ختم کیا جائے ،اور اسی عمل پر مداومت برتا جائے۔ان آثار کو ذکر کرنے کے بعد حافظ ابن کثیرؒ نے لکھا ہے کہ جہاں تک بات ہے اوقات فاضلہ جیسے رمضان المبارک کا مہینہ خاصکر رمضان کی وہ راتیں جس میں لیلۃ القدر کو تلاش کیا جاتا ہے یا وہ بابرکت مکان وفضیلت والی جگہیں جیسے مکہ وغیرہ جو لوگ مکے کے باہر سے آتے ہیں۔تو ایسے بہترین اور فاضل اوقات اور اماکن میں کثرت سے تلاوت قرآن مستحب ہے زمان ومکان کو غنیمت جانتے ہوئے۔ اور یہ بہت

سارے ائمہ مثلا احمد واسحاق رحمہم اللہ کا قول ہے۔اور بہت سارے اسلاف کرام کا اس پرعمل ہے۔بحوالہ۔لطائف المعارف «(ص:246))

ماہ رمضان اورسلف کا قرآن سے شغف:

سلف صالحین رحمہ اللہ اس ماہ میں قرآن پاک کی تلاوت نماز میں اور نماز کے علاوہ بکثرت کرتے تھے،جیسا کہ حافظ ابن رجب رحمہ اللہ نے لطائف المعارف ص 181 میں لکھا ہے کہ(كان السلف يتلون القرآن فى شهر رمضان فى الصلاة وغيرها)

پھر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے (بطور مثال)نقل کیا ہے کہ وہ رمضان میں دن کے شروع ہی میں مصحف سے قرآن مجید کی تلاوت فرماتیں اور سورج طلوع ہوتا تو سو جاتیں۔

امام زہریؒ رمضان کے آتے ہی تلاوت قرآن اور مساکین کو کھانا کھلانے پر خاص توجہ دیتے تھے کہ یہ سخاوت وفیاضی کا مہینہ ہے۔

حضرت امام مالک رحمہ اللہ رمضان المبارک میں حدیث کا درس وتدریس اور اہل علم سے علمی مذاکرات ترک کر کے قرآن مجید کی تلاوت میں مصروف ہو جاتے۔

سفیان ثوری رحمہ اللہ جب رمضان داخل ہوجاتا تو تمام نفلی عبادتوں کو ترک کر دیتے تھے اور قرآن کی طرف متوجہ ہو جاتے ہیں۔یعنی زیادہ سے زیادہ قرآن پڑھتے تھے۔

امام بخاری رحمہ اللہ رمضان میں ہر دن قرآن ختم کرتے تھے اور رمضان کی راتوں میں تراویح پڑھ کر ہر تین رات میں قرآن ختم کرتے تھے۔

سعید بن جبیر رحمہ اللہ ہر دو رات میں قرآن ختم کرتے تھے۔زبید الیامی رحمہ اللہ جب رمضان داخل ہوتا تو خود بھی قرآن پڑھتے اور اپنے اہل وعیال کو بھی پڑھاتے اور قرآن پڑھنے کیلئے ترغیب دیتے تھے۔ولید بن عبد الملک رحمہ اللہ ہر تین دن میں قرآن ختم کرتے تھے اور رمضان میں آپ نے 17 مرتبہ قرآن ختم کیا۔ابو عوانہؒ کہتے ہیں کہ میں قتادہ رحمہ اللہ علیہ کی مجلس قرآن میں حاضر ہوا رمضان میں یعنی رمضان میں قتادہؒ قرآن پڑھاتے تھے۔قتادہ رحمہ اللہ علیہ ہر سات رات میں قرآن ختم کرتے تھے۔اور جب رمضان المبارک کا مہینہ آتا تو آپ ہر تین رات میں قرآن ختم کرتے تھے اور جب آخری عشرہ آتا تو آپ ہر رات قرآن ختم کرتے تھے۔ربیع بن سلیمان جو امام شافعی کے شاگرد ہیں کہتے ہیں کہ امام شافعی رحمہ اللہ رمضان المبارک میں 60 مرتبہ قرآن ختم کرتے تھے۔یعنی ہر رات میں دو مرتبہ قرآن ختم کرتے تھے۔

تلاوت قرآن کی تین شکلیں۔

رمضان المبارک میں تلاوت قرآن کی تین صورتیں ہیں۔ایک یہ کہ جب بھی تلاوت کا موقع ملے،کر لی جائے،دوسری یہ کہ رات کو نماز کے بغیر تلاوت کی جائے، تاہم تلاوت قرآن کی بہترین شکل اس کو رات کی نماز میں پڑھنا ہے۔

تدبر قرآن کی اہمیت:

علامہ ابن سعدی رحمہ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی کتاب قرآن مقدس پر غور وتدبیر علوم ومعارف کیلئے چابی ہے اور تدبر قرآن وتفہم کلام اللہ سے بہت سارے خیر وبھلائی کا دروازہ کھلے گا اور اسی قرآن کو پڑھنے سمجھنے اور تدبر وتفکر اور اسکی تعلیمات پر عمل کرنے کی وجہ سے سارا علوم وفنون کا اکتشاف ہوگا۔اور سارا علوم میں تمکنت ورسوخ پیدا ہوگا۔اور ایمان میں اضافہ ہوگا اور شجرہ ایمان مضبوط وراسخ ہو جائے گا۔

(بحوالہ تفسیر السعدی صفحہ نمبر 154،)

جو قرآن پڑھنا نہیں جانتا وہ کیا کرے۔

جو قرآن پڑھنا نہیں جانتا ہے اسے چاہئے کہ وہ اللہ تعالیٰ سے دعاء اور استعانت طلب کرے کہ اللہ تعالیٰ اسے قرآن پڑھنے اور سمجھنے کی توفیق دے اسے چاہیے کہ ماہ رمضان میں کسی اچھے مخلص حافظ سے قرآن پڑھنے اور سیکھنے کا اہتمام کرے ہر ممکن کوشش کرے،جدید طریقے اور موبائل نٹ وغیرہ سے ہی سہی قرآن مجید پڑھنے،سیکھنے، سننے اور عمل کرنے کی کوشش کرو۔

تلاوت قرآن کے آداب۔

تلاوتِ قرآن کے چند آداب ہیں جن کا تلاوت کے وقت خیال رکھا جائے، تا کہ ہم عند اللہ اجر عظیم کے مستحق بنیں۔

اخلاص اور درستگی نیت۔تلاوت قرآن چونکہ ایک عظیم عبادت ہے،اور عبادت کے قبول ہونے کیلئے اخلاص وللّٰہیت شرط ہے،لہٰذا ریا نمود وشہرت کے بجائے تلاوت قرآن سے صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کی رضا مطلوب ومقصود ہو۔

ظاہری وباطنی طور پر طہارت حاصل کریں،اور وضو وطہارت کی حالت میں ادب واحترام کے ساتھ اللہ کے کلام کی تلاوت کریں۔ یہ زیادہ بہتر ہے۔

تیسرا اہم ادب یہ ہے کہ نہایت خشوع وخضوع قلب وجوارح کے ساتھ باطمینان ٹھہر ٹھہر کر اور اچھی آواز میں تجوید کے قواعد کے مطابق تلاوت کریں۔

تلاوتِ قرآن کے وقت آیتوں کے معانی ومفاہیم پر غور وفکر کرکے پڑھیں تو بہت ہی بہتر ہے۔تلاوت قرآن کے وقت ادھر ادھر ذہن نا بھٹکائے بلکہ پوری توجہ کے ساتھ قرآن کی تلاوت فرمائیں۔

قرآن کریم کے احکام ومسائل پر خود بھی عمل کریں اور اس کے پیغام کو دوسروں تک پہنچانے کی کوشش کریں۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو صیام وقیام اور تلاوتِ قرآن کی توفیق عطا فرمائے اور تقویٰ والی زندگی گزارنے والا بنائے اور ہمیں دونوں جہاں میں کامیابی وکامرانی عطا فرمائے۔آمین

☆☆☆

رمضان المبارک کے فضائل واحکام

شیخ الحدیث
حضرت مولانا عبیداللہ رحمانیؒ

روزے کی فرضیت پر عقلی دلائل اور فلسفیانہ حکمت ومصلحت سے قطع نظر کرتے ہوئے ہم چاہتے ہیں کہ رمضان کے وہ فضائل اور منافع احکام اور مسائل مختصر طور پر ذکر کردیں جو صحیح حدیث اور مستند آثار واقوال سے ثابت ہیں۔

اِذَا دَخَلَ رَمَضَانُ فُتِحَتْ اَبْوَابُ السَّمَاءِ وفی روایة: فُتِحَتْ اَبْوَابُ الْجَنَّةِ وَغُلِّقَتْ اَبْوَابُ جَهَنَّمَ وَسُلْسِلَتِ الشَّيَاطِيْنُ وفی روایة: فُتِحَتْ اَبْوَابُ الرَّحْمَةِ. (صحیحین)

جب رمضان کا مہینہ شروع ہوتا ہے تو آسمان کے دروازے اور ایک روایت میں ہے بہشت کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں اور دوزخ کے دروازے بند کردیئے جاتے ہیں اور شیاطین قید کردیئے جاتے ہیں اور دوسری روایت کے مطابق رحمت کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں۔

علماء نے لکھا ہے کہ جنت یا آسمان یا رحمت کے دروازوں کا کھولنا اور اسی طرح دوزخ کے دروازوں کا بند کرنا، شیاطین کا زنجیروں میں جکڑ دیا جانا حقیقتاً ہے۔ مجاز اور کنایہ پر محمول کرنے کی ضرورت نہیں ہے اور بعض علماء نے مجاز پر محمول کرتے ہوئے یہ مطلب بیان کیا ہے کہ آسمان کے دروازوں کا کھولنا نزول رحمت سے کنایہ ہے اور جنت کے دروازوں کے کھولنے سے اچھے اور نیک کاموں کی توفیق دینی مراد ہے اور دوزخ کے دروازوں کا بند کرنا کنایہ ہے روزہ داروں کا نفسانی خواہشوں کے دبانے کے باعث معاصی اور طغیانی سے خلاصی پانے سے۔ اسی کو حضرت شاہ ولی اللہ صاحب نے حجۃ اللہ البالغۃ میں زیادہ تفصیل اور وضاحت سے بیان فرمایا ہے کہ مسلمانوں کا روزہ رکھنا، راتوں میں قیام کرنا، اور شیفتگان سنت نبویہ کا انوار الٰہی میں غوطہ زن ہونا، اوران کی دعاؤں کا اثر دوسروں تک پہنچنا، ان کے نور کا پرتو دوسرے مسلمانوں پر پڑنا، ان کی برکتوں سے تمام مسلمانوں کا مستفیض ہونا، اور ہر مسلمان کا حسب توفیق واستعداد نیک اور اچھے عمل کرنا، اور ہلاکت وتباہی میں ڈالنے والی برائیوں سے بچنا، گویا ان پر جنت کے دروازوں کا کھول دینا، اور دوزخ کے دروازوں کا بند کردینا ہے۔ کیونکہ یہی چیزیں دوزخ سے بچا کر جنت میں لے جانے والی ہیں۔ اسی طرح جب قوت بہیمیہ دبادی گئی اور اس کا اثر اور عمل ظاہر نہیں ہوا اور تمام مسلمان اچھے کاموں میں مشغول ہوگئے اور قوت ملکیہ کے آثار واعمال کا ظہور ہوا تو سمجھنا چاہیے کہ برائیوں پر برانگیختہ کرنے والے نیک کاموں سے باز رکھنے والے شیاطین قید کردیئے گئے۔

(۲) مَنْ صَامَ رَمَضَانَ اِيْمَانًا وَّاحْتِسَابًا غُفِرَلَهٗ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهٖ. (بخاری ومسلم) ''جس نے رمضان کے روزے ایمان اور اجر وثواب کی نیت سے رکھے اس کے اگلے گناہ معاف کردیئے جائیں گے۔''

ہر چھوٹے بڑے شرعی کام اور عبادت کی صحت اور مقبولیت کے لئے اخلاص نیت شرط ہے اسی طرف اس حدیث میں اشارہ ہے۔

(۳) كُلُّ عَمَلِ بْنِ آدَمَ يُضَاعِفُ الْحَسَنَةُ بِعَشْرِ اَمْثَالِهَا اِلٰى سَبْعِ مِائَةِ ضِعْفٍ، قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى اِلَّا الصَّوْمَ فَاِنَّهٗ لِيْ وَاَنَا اَجْزِيْ بِهٖ يَدَ عُ شَهْوَتَهٗ وَطَعَامَهٗ مِنْ اَجَلِيْ لِلصَّائِمِ فَرْحَتَانِ فَرْحَةٌ عِنْدَ فِطْرِهٖ وَفَرْحَةٌ عِنْدَ لِقَاءِ رَبِّهٖ وَلَخُلُوْفُ فَمِ الصَّائِمِ اَطْيَبُ عِنْدَ اللّٰهِ مِنْ رِيْحِ الْمِسْكِ وَالصِّيَامُ جُنَّةٌ (الحدیث)

ان کے ہر نیک عمل کا دس گنا ثواب ملتا ہے اور یہ ثواب سات سو گنا تک بھی بڑھا دیا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: روزے کا حکم ثواب کے بارے میں جداگانہ ہے، اس کا اجر وثواب بے شمار ہے۔ بندہ میرے ہی لئے روزہ رکھتا ہے۔ میں ہی اس کا بدلہ دوں گا۔ وہ محض میری خاطر اپنی خواہش کی چیزوں اور کھانے پینے کو چھوڑ دیتا ہے۔ روزہ دار کو دو خوشی ہے ایک طبعی افطار کے وقت دوسری خوشی جب اس کو خدا کا دیدار حاصل ہوگا۔ اس کے منہ کی بو اللہ کے نزدیک مشک سے بھی بڑھ کر ہے اور روزہ برے کاموں اور عذاب الٰہی سے بچاؤ اور ڈھال ہے۔

افسوس ہے ایسے لوگوں پر جو اس بابرکت اور مقدس مہینہ کو لہو ولعب، فسق وفجور، عصیان وطغیان، برائی اور بے حیائی، غفلت اور بے پروائی میں گذار دیتے ہیں اور اس مبارک مہینہ کی رحمتوں اور برکتوں کو ڈھونڈھنے کی کوشش نہیں کرتے۔ کتنے مسلمان ہیں جو روزہ نہیں رکھتے اور اس سے بچنے کے لئے طرح طرح کے حیلے اور بہانے ڈھونڈھتے ہیں۔ بعض لوگ ایسے بھی ہیں جو رمضان کا مہینہ دور کے عزیزوں اور رشتہ داروں سے ملنے کے لئے مخصوص کرلیتے ہیں اور رمضان میں مسافر بن کر سارا مہینہ اسی سفر میں بغیر روزہ کے گذار دیتے ہیں، اگر کوئی پوچھ بیٹھتا ہے تو سفر کا عذر پیش کردیتے ہیں۔ دنیا میں انسانوں کو دھوکا دینے کے لئے بیماری اور سفر کے بہانے کام آجائیں گے، مگر خالق عالم ظاہر اور باطن دل اور زبان کی حالتوں سے آگاہ ہے، اس کے سامنے کیا جواب دیں گے؟ بڑے بڑے شہروں میں جہاں مختلف قسم کے کارخانے اور ملیں ہیں اور کالجوں، یونیورسٹیوں میں ہزاروں نوجوان ایسے ملیں گے جو روزے نہیں رکھتے اور روزے رکھنے والوں کے ساتھ تمسخر اور مخول کرتے ہیں۔ ایک وہ لوگ بھی تھے کہ سفر میں جہاد کے موقع پر آنحضور ﷺ کے افطار کردینے اور افطار کی رخصت واجازت ملنے کے بعد بھی روزہ چھوڑنے میں تردد کرتے تھے۔ اسلامی شعائر اور دینی فرائض سے محبت وشیفتگی اور بعد ونفرت کے دونوں دور پر نظر ڈالئے کس قدر عبرت خیز ہے، انہی فرائض وواجبات کی محبت واتباع نے ان کو بام عروج تک پہنچایا اور آج ان کی تعمیل کو تضیع اوقات اور تکلیف مالا یطاق سمجھ کر ترقی سے مانع سمجھا جاتا ہے، لیکن باوجود چھوڑ دینے کے اسی ذلت اور پستی، غلامی وعبودیت میں گھرے

ہوئے ہیں بلکہ بدترین اور دوسروں کی نظروں میں ذلیل انسان بنے ہوئے ہیں۔

اللهم ارحم وتب علينا انک انت التواب الرحيم.

مشکوک دن میں روزے کا حکم: شعبان کی تیسویں رات کوغبار یا بادل کی وجہ سے مطلع صاف نہ ہواور چاند دکھائی نہ دے۔اور نہ دوسرے مقام سے چاند دیکھے جانے کی معتبر اطلاع آئے تو وہ رات شعبان کی ہوگی اوراس سے اگلا دن شعبان کا سمجھا جائے گا اوراس دن روزہ رکھنا جائز نہیں ہوگا۔فرمایا: فَـإِنْ غُـمَّ عَلَيْكُمْ فَاكْمِلُوا عِدَّةَ شَعْبَانَ ثَلاثِيْنَ. (صحیحین)

پس غبار یا ابر کی وجہ سے چاند نہ دیکھنے کی صورت میں یہ خیال کر کے روزہ رکھنا کہ اگر کہیں سے چاند کی خبر آ گئی تو یہ روزہ رمضان کا ہوجائے گا ورنہ نفل ہوگا غلط اور باطل ہے۔عمار بن یاسرؓ صحابی فرماتے ہیں جس نے شک کے دن میں روزہ رکھا اس نے آنحضرتﷺ کی نافرمانی کی۔(ابوداؤد،نسائی،ترمذی،ابن ماجہ)

حاصل یہ ہے کہ شعبان کی آخری تاریخ مشکوک ہوتو اس میں روزہ نہ رکھا جائے اوراس کو رمضان میں نہ شمار کیا جائے۔چاند کو چھوٹا بڑا دیکھ کر بھی شک نہیں کرنا چاہیے بلکہ جس روز چاند دیکھا گیا ہے اسی دن کا سمجھنا چاہیے،اسی طرح رمضان کے استقبال میں چاند دیکھنے سے پہلے ایک یا دوروزے رکھنا ناجائز ہے۔آنحضرتﷺ نے اس سے منع فرمایا ہے،ہاں اگر کسی اوردنوں میں نفلی روزہ رکھنے کی عادت تھی،اتفاقا نہ رکھ سکا یا کسی شخص کی ہر آخر ماہ میں نفلی روزے رکھنے کی عادت ہے تو ایسی صورت میں اجازت ہے کہ وہ آخری تاریخوں میں روزے رکھ لے۔

روزہ کی نیت کاحکم: ہر عبادت کی صحت کے لئے نیت شرعی شرط ہے، پس روزہ کی صحت بھی نیت شرعی کے ساتھ مشروط ہے خواہ روزہ نفلی ہو یا فرض رمضان کا ہو یا نذر کا،ادا ہو یا قضا اور نفلی روزہ کے علاوہ ہر قسم کے روزے کے لئے صبح صادق طلوع ہونے سے پہلے نیت کر لینا ضروری ہے بخلاف نفلی روزے کے کہ اگر آفتاب ڈھلنے سے پہلے بھی نیت کرلی تو روزہ صحیح ہوجائے گا۔واليـه ذهـب الشـافعي واحمد واسحاق وهو الراجح عند شيخنا كما صرح به في شرح الترمذي "من لم يجمع الصيام قبل الفجر فلا صيام له" (ترمذی وغیرہ)

جس نے صبح صادق طلوع ہونے سے پہلے روزے کی نیت نہیں کی اس کا روزہ صحیح نہیں ہوگا۔اس حدیث کے مرفوع اور موقوف ہونے میں اختلاف ہے،صحیح اور راجح اس حدیث کا مرفوع ہونا ہے،كما حققه الشوكاني في النيل وابن حزم في المحلي،یہ حدیث فرض اور نفل ہر قسم کے روزوں کو شامل ہے مگر نفلی روزہ اس حدیث کے حکم سے مستثنی ہے۔

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں:''كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَاتِيْنِيْ وَيَقُوْلُ: أَعِنْدَكِ غَدَاءٌ فَأَقُوْلُ لاَ فَيَقُوْلُ اِنِّي صَائِمٌ وفی روایة اِنِّي اِذًا لَصَائِمٌ'' یعنی نبیﷺ میرے پاس آتے اور پوچھتے: کیا صبح کا کھانا ہے؟ میں عرض کرتی نہیں،آپ فرماتے میں روزہ رکھوں گا۔

واما ما روی عن سلمة بن الاكوع ان رسول الله ﷺ امر رجلا من اسلم ان اذن في الناس اذ فرض صوم عاشوراء الاكل من اكل فليمسک ومن لم يا كل فليصم. اخرجه البخاري وغيره فاجيب عنه بانه انما صحت النية في النهار لان الظاهران صوم عاشوراء انزلت فرضيته في النهار فصار الرجوع الى الليل غير مقدور والنزاع فيما كان مقدورا فيخص الجواز بمثل هذه الصورة اعنى من ظهر له وجوب الصيام عليه من النهار فتامل.

ہر روزہ کے لئے نیت ضروری ہے صرف پہلی رات کی نیت تمام روزوں کے لئے کافی نہیں ہوگی۔اور نیت زبان سے لفظوں میں کہنے کی ضرورت نہیں ہے،دل میں نیت کر لینا کافی ہے۔

سحری کھانے کی فضیلت: آنحضرتﷺ نے فرمایا:تسحروا فان في السحور بركة (صحیحین) سحری کھایا کرو،سحری کھانے میں برکت ہے۔دوسری حدیث میں آپﷺ نے فرمایا:فَصْلُ مَا بَيْنَ صِيَامِنَا وَصِيَامِ اَهْلِ الْكِتَابِ اَكْلَةُ السَّحُرِ (مسلم) ہمارے روزہ اوراہل کتاب (عیسائی ویہودی) کے روزہ کے درمیان فرق کرنے والی چیز سحری کھانا ہے یعنی وہ بغیر سحری کھائے ہوئے روزہ رکھتے ہیں۔

سحری کھانے کی فضیلت میں اور حدیثیں بھی آئی ہیں، ان سب سے معلوم ہوتا ہے کہ سحری کھانا باعث خیر و برکت ہے۔اس میں کیا شک ہے کہ سحری کھانے والے کو بہ نسبت سحری نہ کھانے والے کے بھوک اور پیاس کی تکلیف کم محسوس ہوتی ہے وہ زیادہ کمزور اور پریشان نہیں ہوتا۔ذکرالٰہی،تلاوت قرآن اور نماز وغیرہ میں چست رہتا ہے اور یہ بھی معلوم ہوا کہ ہمارے روزہ اور یہودیوں،عیسائیوں کے روزہ کے درمیان مابہ الامتیاز چیز سحری ہے، اس لئے سحری چھوڑنی نہیں چاہیے، کچھ نہیں تو ایک کھجور اور اگر یہ بھی میسر نہ ہو تو ایک گھونٹ پانی ہی سحری کے وقت پی لینا چاہیے۔

سحری دیر کرکے کھانے کی مسنونیت اور فضیلت:

آج کل عام طور پر لوگ اس ڈر سے کہ آخر شب میں بیدار نہ ہو سکیں گے اوراس صورت میں سارے گھر والے بغیر سحری روزہ رکھیں گے،ایک یا دو بجے شب میں ہی سحری کھالیا کرتے ہیں یا نصف رات کو سحری کا وقت سمجھ کر بھی بعض لوگ ایسا کرتے ہیں اور جب مختلف غذاؤں سے اچھی طرح شکم پر کر لیتے ہیں اور پان وغیرہ سے فارغ ہو کر سوتے ہیں تو کھانے کے نشہ میں خوب گہری اور زبردست نیند آنے کے باعث فجر کی نماز اول غلس میں تو ادا کرنا درکنار آخر وقت میں بھی نہیں پڑھ سکتے کیونکہ آفتاب طلوع ہونے کے قریب بیدار ہوتے ہیں بلکہ اگر جھنجھوڑ کر نہ جگایا جائے تو ۸-۹ بجے تک سوتے رہیں گے، ظاہر ہے کہ وہ ایسا کرنے کی صورت میں دوہرے نقصان اور خسارے میں مبتلا ہوجاتے ہیں، فجر کی نماز یا تو قضا ہوجاتی ہے یا مکروہ وقت میں ادا کرتے ہیں اور سحری کا مسنون طریقہ اور وقت چھوڑ دیتے ہیں۔

سحری کا مسنون وقت اور طریقہ یہ ہے کہ صبح صادق طلوع ہونے سے پہلے صبح کاذب میں یا صبح کاذب سے کچھ پہلے کھانا چاہیے۔حضرت زید بن ثابتؓ فرماتے ہیں تَسَحَّرْنَا مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ ثُمَّ قُمْنَا اِلَى الصَّلٰوةِ قَالَ كَمْ كَانَ قَدْرَ ذٰلِكَ قَالَ قَدْرَ خَمْسِيْنَ آيَةً (ترمذی) یعنی آپ کی سحری اور فجر کی نماز کے درمیان فاصلہ پچاس آیت کے پڑھنے کے برابر ہوتا تھا۔

کس قدر افسوس ہے کہ جولوگ اس سنت پر عمل کرتے ہیں یعنی سحری دیر کرکے کھاتے ہیں، ان سے مذاق کیا جاتا ہے اور کہا جاتا ہے کہ یہ سحری دن میں کھاتے ہیں۔انا للہ وانا الیہ راجعون. ہاں سحری آخری شب میں کھانے والوں کوخیال رکھنا چاہیے کہ چائے اور پان تمباکو میں مشغول رہ کر اس طرح بے خبر نہ ہوجائیں کہ صبح صادق طلوع ہوگئی ہو اور وہ اب تک اسی شغل میں منہمک ہوں۔

روزہ وقت ہوتے ہی فوراً افطار کردینا چاہیے: جب سورج غروب ہوجائے اور مشرق سے سیاہی نمودار ہوجائے روزہ افطار کردینا چاہیے اور بلاوجہ شک میں پڑکر دیر نہیں کرنی چاہیے۔روزہ افطار کرنے کا یہی وقت ہے۔

اِذَا اَقْبَلَ اللَّیْلُ مِنْ هٰهُنَا وَاَدْبَرَ النَّهَارُ مِنْ هٰهُنَا وَغَابَتِ الشَّمْسُ فَقَدْ اَفْطَرَ الصَّائِمُ. (صحیحین)

جب رات سامنے آئے (مشرق سے سیاہی نمودار ہوجائے) اور دن پیٹھ پھیرلے اور آفتاب غروب ہوجائے تو روزہ افطار کرنے کا وقت آگیا (اب بلا تاخیر روزہ افطار کردینا چاہیے) لَا یَزَالُ النَّاسُ بِخَیْرٍ مَا عَجَّلُوْا الفِطْرَ (صحیحین) لوگ جب تک افطار میں جلدی کریں گے بھلائی میں رہیں گے۔

حدیث قدسی میں ہے۔اَحَبُّ عِبَادِیْ اِلَیَّ اَعْجَلُهُمْ فِطْرًا. سب بندوں سے پیارا مجھ کو وہ بندہ ہے جو روزہ افطار کرنے میں جلدی کرتا ہے۔یعنی آفتاب غروب ہوتے ہی روزہ افطار کرڈالتا ہے اور دیر نہیں کرتا۔جلدی کرنے کا یہ مطلب نہیں ہے کہ آفتاب غروب ہونے سے پہلے یا اس کے غروب ہونے میں شک اور تردد ہونے کے باوجود روزہ افطار کردیا جائے۔غرض یہ ہے کہ افراط وتفریط سے بچنا چاہیے۔

روزہ افطار کرنے کی دعا:

اَللّٰهُمَّ لَکَ صُمْتُ وَعَلٰی رِزْقِکَ اَفْطَرْتُ (ابوداؤد) اے خدا تیرے ہی لئے میں نے روزہ رکھا اور تیرے ہی دیئے ہوئے سے افطار کیا۔

نوٹ: یہ حدیث ضعیف ہے۔

دوسری دعا: ذَهَبَ الظَّمَاءُ وَابْتَلَّتِ الْعُرُوْقُ وَثَبَتَ الاَجْرُ اِنْ شَاءَ اللّٰهِ (ابوداؤد) پیاس جاتی رہی، رگیں تر ہوگئیں، اور ثواب لازم وثابت ہوگیا، اگر خدا نے چاہا۔

روزہ کس چیز سے افطار کرنا چاہیے: تازہ کھجوروں سے روزہ افطار کرنا افضل ہے، اگر تروتازہ نہ ملیں تو خشک کھجوروں سے افطار کیا جائے، یہ بھی میسر نہ ہو تو پانی سے افطار کیا جائے۔

عَنْ اَنَسٍ کَانَ النَّبِیُّ ﷺ یُفْطِرُ قَبْلَ اَنْ یُّصَلِّیَ عَلٰی رُطَبَاتٍ فَاِنْ لَّمْ تَکُنْ رُطُبَاتٌ فَتُمَیْرَاتٍ فَاِنْ لَّمْ تَکُنْ تُمَیْرَاتٌ حَسَا حَسَوَاتٍ مِنْ مَّاءٍ (ترمذی، ابوداؤد) آنحضرت ﷺ نماز سے پہلے تازہ کھجوروں سے روزہ افطار فرماتے، اگر تازہ نہ ملیں تو خشک سے افطار کرتے، اگر خشک بھی نہ میسر ہوئیں تو پانی کے چند گھونٹ پی لیتے۔

سلمان بن عامر صحابی فرماتے ہیں کہ آنحضور ﷺ نے روزہ کی افطاری کے متعلق ارشاد فرمایا۔اِذَا اَفْطَرَ اَحَدُکُمْ فَلْیَفْطِرْ عَلٰی تَمْرٍ فَاِنَّهٗ بَرَکَةٌ فَاِنْ لَّمْ یَجِدْ فَلْیُفْطِرْ عَلٰی مَاءٍ فَاِنَّهٗ طُهُوْرٌ (احمد، ابوداؤد، ترمذی، ابن ماجہ) جب کوئی روزہ افطار کرنا چاہے تو کھجور سے افطار کرے کہ وہ باعث نفع وبرکت ہے، اگر کھجور نہ پائے تو پانی سے افطار کرے کہ وہ طاہر اور مطہر ہے۔

روزہ افطار کرانے کا ثواب: کسی دوسرے روزہ دار کا روزہ کھلوانا بڑے ثواب کا کام ہے۔دوست واحباب، خویش واقارب کے روزہ افطار کرانے کے ساتھ فقراء ومساکین اور بیوہ عورتوں کے یہاں ونیز مساجد میں افطاری بھیج کر ثواب اخروی حاصل کرنے میں سبقت کرنی چاہیے۔آنحضور ﷺ فرماتے ہیں: مَنْ فَطَّرَ صَائِمًا اَوْ جَهَّزَ غَازِیًا فَلَهٗ اَجْرُ مِثْلِهٖ (بیہقی) جس نے کسی کا روزہ افطار کرایا اس کو بھی روزہ دار کے برابر ثواب ملے گا۔ایک لمبی حدیث میں ہے۔

مَنْ فَطَّرَ صَائِمًا کَانَ لَهٗ مَغْفِرَةٌ لِذُنُوْبِهٖ وَعِتْقُ رَقَبَةٍ مِنَ النَّارِ وَکَانَ لَهٗ مِثْلَ اَجْرِهٖ مِنْ غَیْرِ اَنْ یُّنْتَقَصَ مِنْ اَجْرِهٖ شَیْءٌ قُلْنَا یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ لَیْسَ کُلُّنَا نَجِدُ مَا نُفَطِّرُ بِهِ الصَّائِمَ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ یُعْطِیْ اللّٰهُ هٰذَا الثَّوَابَ مَنْ فَطَّرَ صَائِمًا عَلٰی مَذْقَةِ لَبَنٍ اَوْ تَمْرَةٍ اَوْ شَرْبَةٍ مِنْ مَاءٍ وَمَنْ اَشْبَعَ صَائِمًا سَقَاهُ اللّٰهُ مِنْ حَوْضِیْ شَرْبَةً لَا یَظْمَاءُ حَتّٰی یَدْخُلَ الْجَنَّةَ مِثْلَهٗ. (بیہقی)

جس شخص نے کسی روزہ دار کا روزہ افطار کرایا تو اس کے گناہ معاف ہوجائیں گے اور وہ دوزخ سے آزاد ہوجائے گا اور اس کو روزہ دار کے برابر اجر ملے گا۔بغیر اس کے کہ روزہ دار کے اجر میں کچھ کمی واقع ہو۔صحابہؓ نے عرض کیا: ہم میں کا ہر شخص ایسا نہیں ہے جو روزہ افطار کرا سکے، آپ نے فرمایا: یہ اجر اللہ پاک ہر اس شخص کو دے گا جو کسی روزہ دار کو ایک گھونٹ دودھ یا ایک کھجور یا ایک گھونٹ پانی سے افطار کرادے اور جس کسی نے کسی روزہ دار کو خوب آسودہ اور سیر کردیا، اللہ پاک اس کو میرے حوض کوثر سے اتنا پلائے گا کہ وہ پیاسا نہیں ہوگا یہاں تک کہ بہشت میں داخل ہوجائے گا۔

روزہ میں کون سے امور جائز ہیں اور کن امور سے روزہ نہیں ٹوٹتا: (۱) تریا خشک مسواک دن کے کسی حصہ میں بھی کرنا (۲) سرمہ لگانا اور آنکھ میں دواڈالنی (۳) سریا بدن میں تیل ملنا (۴) خوشبو لگانا (۵) سر پر کپڑا ترکرکے رکھنا (۶) فصد لینا، پچھنا لگوانا بشرطیکہ کمزوری کا خوف نہ ہو (۷) انجکشن لگوانا جو قوت اور غذا کا کام نہ دے (۸) ضرورت کے وقت ہنڈیا کا نمک چکھ کر فوراً تھوک دینا اور کلی کرنا (۹) صبح صادق کے بعد جنابت کا غسل کرنا (۱۰) مرد کا بیوی سے صرف بوس وکنار کرنا بشرطیکہ اپنے کو قابو میں رکھ سکتا ہو اور جماع واقع ہوجانے کا خوف نہ ہو (۱۱) دن میں احتلام ہوجانا (۱۲) عورت کو دیکھ کر انزال ہوجانا (۱۳) خود بخود قے آجانا خواہ تھوڑی ہو یا زیادہ (۱۴) تالاب وغیرہ میں غسل کرنا بشرطیکہ غوطہ لگانے کی صورت میں ناک یا منہ کے ذریعہ حلق کے اندر پانی نہ جائے۔(۱۵) ناک میں پانی ڈالنا بغیر مبالغہ کے (۱۶) ناک کے رینٹھ کا اندر ہی اندر حلق کے راستہ اندر چلا جانا (۱۷) کلی کرنا بشرطیکہ مبالغہ نہ کرے (۱۸) کلی کرنے کے بعد منہ میں پانی کی تری کا تھوک کے ساتھ اندر چلا جانا (۱۹) مکھی کا حلق میں چلا جانا (۲۰) استنشاق

بلا مبالغہ کی صورت میں بغیر قصد وارادہ پانی کا ناک سے حلق کے اندر اتر جانا (۲۱) منہ میں جمع شدہ تھوک کو پی جانا مگر ایسا نہ کرنا بہتر ہے (۲۲) مسوڑھے کے خون کا تھوک کے ساتھ اندر چلا جانا (۲۳) کلی کرتے وقت بلا قصد وارادہ پانی کا حلق میں اتر جانا (۲۴) ذکر میں پچکاری کے ذریعہ دوا وغیرہ داخل کرنا (۲۵) عورت سے بوس وکنار کی صورت میں انزال ہو جانا (۲۶) بھول کر کھا پی لینا اور بیوی سے صحبت کر لینا۔

(۱) مَنْ نَسِيَ وَهُوَ صَائِمٌ فَاَكَلَ اَوْ شَرِبَ فَلْيُتِمَّ صَوْمَهُ فَإِنَّمَا اَطْعَمَهُ اللّٰهُ وَسَقَاهُ. (صحیحین)

جو روزہ دار بھول کر کھا پی لے وہ اپنا روزہ پورا کرے، اللہ نے اس کو کھلایا پلایا ہے یعنی بھول کر کھا پی لینے سے روزہ نہیں ٹوٹے گا اور نہ اس کی قضا دینی ہوگی۔

(۲) مَنْ اَفْطَرَ فِيْ شَهْرِ رَمَضَانَ نَاسِيًا فَلاَ قَضَاءَ عَلَيْهِ وَلاَ كَفَّارَةَ. (ابن خزیمۃ، حاکم، ابن حبان)

(۲۷) غبار دھوئیں یا آٹے کا اڑ کر حلق کے اندر چلا جانا (۲۸) مونچھوں میں تیل لگانا (۲۹) کان میں تیل یا پانی ڈالنا اور سلائی داخل کرنا (۳۰) دانت میں اٹکے ہوئے گوشت یا کھانے کا جو محسوس نہ ہو اور منتشر ہو کر رہ جائے حلق کے اندر چلا جانا۔

روزہ جن امور سے ٹوٹ جاتاھے: (۱) دانستہ قصداً کھانا پینا خواہ تھوڑا ہو یا زیادہ (۲) دانستہ جماع کرنا (۳) قصداً قے کرنا تھوڑی ہو یا زیادہ (۴) حقہ بیڑی، سگریٹ پینا (۵) پان کھانا (۶) مبالغہ کے ساتھ ناک میں پانی یا دوا چڑھانا یہاں تک کہ حلق کے نیچے اتر جائے (۷) کھانا پینا یا جماع کرنا رات سمجھ کر یا یہ خیال کر کے کہ آفتاب غروب ہو گیا ہے حالانکہ صبح ہو چکی تھی یا آفتاب غروب نہیں ہوا تھا (۸) منہ کے علاوہ کسی زخم کے راستہ سے نلکی کے ذریعہ غذا یا دوا پہنچانی (۹) حقنہ کرنا ان سب صورتوں میں ٹوٹے ہوئے روزہ کی قضا رکھنی ضروری ہے اور دانستہ بیوی سے صحبت (جماع) کر لینے کی صورت میں قضا کے ساتھ کفارہ دینا بھی ضروری ہے۔ کفارہ ایک مسلمان غلام یا لونڈی کا آزاد کرنا ہے۔ اگر اس کی قدرت نہ ہو تو پے در پے ساٹھ روزہ رکھے اور اگر اس کی بھی طاقت نہ ہو تو ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلائے۔

بیمار، مسافر، حاملہ مرضعہ کے لئے شرعی رخصت: اگر مسافر بیمار، حاملہ کو روزہ رکھنے کی وجہ سے تکلیف پہنچتی ہو اور دودھ پلانے والی عورت کے دودھ خشک ہونے کا خوف ہو تو ان لوگوں کے لئے شریعت کی طرف سے اجازت ہے کہ روزہ نہ رکھیں بلکہ مسافر کے لئے اس صورت میں روزہ نہ رکھنا افضل ہے "فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَرِيْضًا اَوْ عَلَى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِنْ اَيَّامٍ اُخَرَ" بیمار اور مسافر کے لئے رخصت ہے کہ روزے نہ رکھیں لیکن اس کے بعد ان چھوٹے ہوئے روزوں کی قضا دینی ہوگی۔ ان الله وضع عن المسافر شطر الصلوة والصوم عن المسافر وعن المرضع والحبلى (ابوداؤد، ترمذی، نسائی، ابن ماجه) اللہ نے مسافر کو قصر کی اجازت دی ہے اور مسافر، حاملہ، مرضعہ کو روزہ نہ رکھنے کی رخصت دے دی ہے۔

اگر سفر میں تکلیف نہ ہو اور بیماری، حمل، دودھ پلانے کی حالتوں میں روزہ رکھنے سے ضرر اور مشقت نہ ہو تو روزہ رکھنا افضل ہے۔ اور جس طرح مسافر یا بیمار کو قضا دینی ہوتی ہے۔ اسی طرح حاملہ کو وضع حمل کے بعد جب روزہ رکھنے کی طاقت ہو اور مرضعہ کو جب دودھ خشک ہونے کا خوف جاتا رہے چھوٹے ہوئے روزوں کی قضا دینی چاہیے۔ قال شيخنا رحمه الله فى شرح الترمذى الظاهر انهما (الحامل والمرضعة) فى حكم المريض فليزمهما القضاء.

میت کے چھوٹے ہوئے روزوں کی قضاء: اگر مریض کو رمضان کے بعد صحت ہوگئی۔ یا مرض میں اتنی تخفیف ہوگئی کہ وہ روزہ رکھ سکے۔ لیکن اس نے قضا نہیں رکھی پھر بیمار ہو کر مر گیا۔ یا مسافر کو سفر ختم ہو جانے کے بعد روزہ کی قضا کا موقع ملا لیکن اس نے قضا نہیں رکھی اور قضاء سے پہلے کسی بیماری یا حادثہ میں انتقال کر گیا تو ان دونوں کے چھوٹے ہوئے روزوں کی قضا ان کے اولیاء کے ذمہ ضروری ہے۔ ارشاد ہے: مَنْ مَاتَ وَعَلَيْهِ صِيَامٌ صَامَ عَنْهُ وَلِيُّهُ. (صحیحین)

چھوٹے ہوئے روزوں کا فدیہ دینے کے بارے میں جو روایت ذکر کی جاتی ہے وہ صحیح نہیں ہے اور اگر رمضان کے بعد مریض کی بیماری یا مسافر کا سفر قائم رہا اور ان کو قضاء کا موقع نہیں ملا اور اسی بیماری یا اسی سفر میں ان کا انتقال ہو گیا تو ان کے اولیاء کے ذمہ ان کے چھوٹے ہوئے روزوں کی قضا نہیں ہے اور نہ فدیہ ہی ہے۔

ابن قدامہ لکھتے ہیں: من مات وعليه صيام من رمضان لم يخل من حالين، احدهما ان يموت قبل امكان القيام اما لضيق الوقت او لعذر من مرض او سفر اوعجز عن الصوم فهذالا شئى عليه فى قول اكثر اهل العلم.........لانه حق لله تعالى وجب بالشرع مات من يجب عليه قبل امكان فعله فسقط الى غير بدل كالحج..... الحال الثانى ان يموت بعد امكان القضاء فالواجب ان يطعم عنه لكل يوم مسكين وهذا قول اكثر اهل العلم، وقال ابوثور يصام عنه وهو قول الشافعى لما روت عائشة ان النبى ﷺ قال من مات وعليه صيام صام عنه وليه متفق عليه (المغنى ج۳ ص ۱۴۲، ص ۱۴۳) اور لکھتے ہیں: لو تركه لمرض اتصل به الموت لم يجب عليه شئى (المغنى ج۳ ص ۱۴۱) اور امام نووی لکھتے ہیں: من فاته صوم يوم من رمضان ومات قبل قضاء ه فله حالان احدهما ان يموت بعد تمكنه من القضاء سواء ترك الا داء بعذرام بغيره فلا بد من تدارك بعد موته الحال الثانى ان يكون موته قبل التمكن من القضاء بان لا يزال مريضا او مسافرا من اول شوال حتى يموت فلا شئى فى تركته ولا على ورثته (روضة الطالبين ج۲ ص ۳۸۱-۳۸۳) اور امام بیہقی سنن کبری ج۴ ص۳۵۳ میں لکھتے ہیں: باب المريض يفطر ثم لم يصح حتى مات فلا يكون عليه شئى، روى ذلك عن ابن عباس وقال رسول الله ﷺ اذا أمرتكم بامر فاتوا منه ماستطعتم.

بوڑھے مرد اور بوڑھی عورت کے لیے شرعی رخصت: وہ بوڑھا مرد اور بوڑھی عورت جو روزہ رکھنے کی قدرت نہ رکھتے ہوں یا روزہ رکھنے کی صورت میں انتہائی کمزوری ہوجانے کی وجہ سے اٹھنا بیٹھنا مشکل ہوتو ان کے لیے اجازت ہے کہ روزہ نہ رکھیں اور روزہ کے بدلے ایک مسکین کو کھانا کھلا دیا کریں۔

وَعَلَى الَّذِيْنَ يُطِيْقُوْنَهُ فِدْيَةٌ طَعَامُ مِسْكِيْنٍ (البقرہ:۱۸۳) کے متعلق حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں۔ھی للشیخ الکبیر والمرأۃ الکبیرۃ لا یستطیعان ان یصوما فیطعمان مکان کل یوم مسکینا (بخاری)

روزے کا ثمرہ اور مقصد: يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ (البقرہ:۱۸۳) مسلمانو! جس طرح تم سے پہلی قوموں پر روزے فرض کئے گئے تھے اسی طرح تم پر فرض کئے گئے۔

شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ فِيْهِ الْقُرْاٰنُ هُدًى لِّلنَّاسِ وَبَيِّنٰتٍ مِّنَ الْهُدٰى وَالْفُرْقَانِ فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ وَمَنْ كَانَ مَرِيْضًا اَوْ عَلٰى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ اَيَّامٍ اُخَر يُرِيْدُ اللّٰهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيْدُ بِكُمُ الْعُسْرَ وَلِتُكْمِلُوا الْعِدَّةَ وَلِتُكَبِّرُوا اللّٰهَ عَلٰى مَا هَدٰكُمْ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ (البقرہ:۱۸۵) رمضان کا مہینہ وہ ہے جس میں قرآن اتارا گیا جو لوگوں کے لئے ہدایت ہے اور جو ہدایت اور حق و باطل کی تمیز کی دلیل ہے پس جو اس مہینہ میں زندہ رہے وہ روزہ رکھے جو بیمار یا مسافر ہو وہ ان کے بدلے اور دنوں میں روزے رکھے خدا تمہارے ساتھ آسانی چاہتا ہے سختی نہیں چاہتا اور تاکہ تم روزوں کی تعداد پوری کرسکو اور تاکہ تم خدا کی ہدایت پر اس کی بڑائی کرو اور شکر ادا کرو۔

قرآن پاک نے روزہ کے حکم کے موقعہ پر ہم کو روزے کے تین نتیجے بتائے ہیں اتقاء، تکبیر، شکر۔ انسانی کاموں کا حقیقی وجود ان کے نتیجوں اور ثمروں کا وجود ہے اگر نتیجہ اور ثمرہ ظاہر نہیں ہوا تو سمجھنا چاہیے کہ وہ کام بھی نہیں ہوا اگر بیمار کو حکیم نے دوا دی لیکن جس فائدے کے لئے دی تھی وہ فائدہ حاصل نہیں ہوا تو سمجھنا چاہیے کہ حکیم نے دوا نہیں دی اور نہ بیمار نے دوا استعمال کی۔ اسی طرح روزہ کو ہمارا روحانی علاج سمجھنا چاہیے پس اگر روزہ سے روحانی شفا یعنی تقوی، تسبیح وتقدیس، تکبیر وتہلیل، حمد وثنا وغیرہ نہ حاصل ہوتو حقیقت میں وہ روزہ نہیں ہے بلکہ فاقہ ہے اور ایسا روزہ دار فاقہ کش ہے جس کو بھوک و پیاس کی تکلیف کے علاوہ کوئی فائدہ حاصل نہیں ہوا۔ خدا کے نزدیک ایسے روزہ کی کوئی حقیقت نہیں ہے۔ آنحضرت ﷺ ارشاد فرماتے ہیں:

كَمْ مِنْ صَائِمٍ لَيْسَ مِنْ صِيَامِهِ اِلَّا الظَّمَأُ وَكَمْ مِنْ قَائِمٍ لَيْسَ مِنْ قِيَامِهِ اِلَّا السَّهَرُ (دارمی) کتنے روزے دار ہیں جن کو بجز تشنگی کچھ حاصل نہیں اور کتنے تہجد گذار ہیں جن کے تہجد سے بجز بیداری کچھ فائدہ نہیں۔

روزے کا پہلا ثمرہ اتقاء بتایا گیا ہے جس کے معنی اصطلاح شرح میں ہر قسم کی جسمانی نفسانی دنیاوی لذائذ اور خواہشات سے جسم اور روح کو محفوظ رکھنے کے ہیں اور یہی روزہ کی حقیقت ہے۔ جس کے ساتھ تکبیر، حمد وثنا بھی ہونا چاہیے ہم خیال کرتے ہیں کہ گناہ کے ارتکاب، نفسانی خواہش کی پیروی، عصیان وطغیان سے روزہ نہیں ٹوٹتا مگر یاد رکھنا چاہیے کہ دل اور روح کا روزہ ضرور ٹوٹ جاتا ہے اور جب روح وقلب کا روزہ باقی نہیں رہا تو محض جسم کا روزہ بے سود اور غیر مفید ہے۔

اَلصَّائِمُ فِيْ عِبَادَةٍ مِنْ حِيْنَ يُصْبِحُ اِلٰى اَنْ يمسي مالم يغتب فاذا اغتاب خرق صومه (دیلمی) روزہ دار صبح سے شام تک خدا کی عبادت میں رہتا ہے جب تک کسی کی غیبت نہ کرے جب وہ غیبت کرتا ہے تو اپنے روزے کو پھاڑ ڈالتا ہے۔

ہم سمجھتے ہیں کہ ہمارے برے اور بیہودہ لغو باتیں، سرکشی نفس، روزہ کے منافی نہیں ہیں۔ لیکن یہ خیال جھوٹا اور غلط ہے، آنحضرت ﷺ فرماتے ہیں: لَيْسَ الصِّيَامُ مِنَ الْاَكْلِ وَالشُّرْبِ اِنَّمَا الصِّيَامُ مِنَ اللَّغْوِ وَالرَّفَثِ (حاکم، بیہقی) روزہ کھانے پینے سے پرہیز کا نام نہیں ہے بلکہ حقیقت میں برے اور لغو کام سے بچنے کا نام ہے۔

ہمارے طرز عمل سے معلوم ہوتا ہے کہ ہم جھوٹی باتوں برے عملوں کو روزہ کی صحت کے لئے مضر نہیں خیال کرتے حالانکہ آنحضرت ﷺ فرماتے ہیں۔ مَنْ لَمْ يَدَعْ قَوْلَ الزُّوْرِ وَالْعَمَلَ بِهِ فَلَيْسَ لِلّٰهِ فِيْ اَنْ يَّدَعَ طَعَامَهُ وَشَرَابَهُ (بخاری وغیرہ) جو شخص روزے کی حالت میں بھی کذب وزور اور اس پر عمل کرنا نہ چھوڑے تو خدا کو کوئی ضرورت نہیں کہ اس کے لئے روزہ دار اپنا کھانا پینا چھوڑ دے۔

پس اچھی طرح سمجھ لینا چاہیے کہ روزہ دار حقیقت میں نیکی اور بھلائی کا مجسمہ ہوتا ہے، نہ تو وہ کسی کی غیبت کرتا ہے، نہ لغو بیہودہ عمل کرتا ہے، نہ کذب وزور اور جہالت کے کاموں میں اپنے کو ملوث کرتا ہے، نہ نفسانی خواہش کی اتباع کرتا ہے بلکہ برائی کا بدلہ نیکی کے ساتھ دیتا ہے۔ اِذَا كَانَ يَوْمُ صَوْمِ اَحَدِكُمْ فَلَا يَرْفُثْ وَلَا يَصْخَبْ فَاِنْ سَابَّهُ اَحَدٌ اَوْ قَاتَلَهُ فَلْيَقُلْ اِنِّيْ امْرَؤٌ صَائِمٌ (بخاری وغیرہ) تم میں سے جب کسی کے روزے کا دن ہو تو نہ بدگوئی کرے اور نہ شور وغل کرے اگر کوئی اس کو برا کہے یا اس سے آمادہ پیکار ہو تو کہہ دے میں روزے سے ہوں۔

ماہ رمضان میں نیک کاموں کا ثواب زیادہ ہوجاتاھے: مَنْ تَقَرَّبَ فِيْهِ بِخَصْلَةٍ مِنَ الْخَيْرِ كَانَ كَمَنْ اَدّٰى فَرِيْضَةً فِيْمَا سِوَاهُ وَمَنْ اَدّٰى فَرِيْضَةً كَانَ كَمَنْ اَدّٰى سَبْعِيْنَ فَرِيْضَةً فِيْمَا سِوَاهُ۔ جس شخص نے رمضان میں ایک نیک نفلی کام کے ذریعہ اللہ کی نزدیکی چاہی تو وہ اس شخص کی طرح ہے جس نے ایک فرض ادا کیا اور جس نے ایک فرض ادا کیا وہ اس شخص کی طرح ہے جس نے ماسواء رمضان میں ستر فریضے ادا کئے۔

معلوم ہوا کہ اس مقدس اور بابرکت مہینے میں ہر ایک نیک اور اچھے کام کا ثواب بہت زیادہ ملتا ہے خواہ نفلی ہو یا فرض۔ پس قرآن کی تلاوت، تسبیح وتقدیس، تکبیر وتہلیل، حمد وشکر، تراویح اور دوسرے نیک کاموں میں بہت زیادہ کوشش کرنی چاہیے۔ اس مبارک مہینے میں دل کھول کر صدقات وخیرات کرنا چاہیے، آنحضرت ﷺ کی سخاوت تیز وتند ہوا سے بھی زیادہ ہوجایا کرتی تھی، اسی لئے آپ نے اس مہینہ کو شهر المواساة (ایک دوسرے کی غمخواری اور مدد کرنے کا مہینہ) بتایا ہے۔ ہمارا سالانہ فرض دو ہے۔ ایک جسمانی اور ایک مالی۔ فریضہ مالی (زکوۃ) اگرچہ وقت کے ساتھ محدود اور مخصوص نہیں ہے

مگر جب رمضان میں ایک فرض کی ادائیگی سے ستر فریضہ کی ادائیگی کا ثواب ملتا ہے تو ادائیگی زکوٰۃ (فریضہ مالی) کے لئے رمضان سے بڑھ کر دوسرا کون ساوقت ہوگا۔

تراویح یا تہجد یا قیام رمضان: تراویح، تہجد، قیام رمضان تینوں ایک چیز ہے۔ابن ماجہ میں حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ والی لمبی حدیث اس دعویٰ کی روشن دلیل ہے، اس حدیث کا خلاصہ یہ ہے کہ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ہم نے آنحضورﷺ کے ساتھ رمضان کے روزے رکھے، آپ نے آخر دہے کی تین راتوں میں ہمارے ساتھ (تراویح کی) نماز (قیام لیل) اس طرح پڑھائی۔پہلی رات میں اول شب میں ادا کی یہاں تک کہ تہائی رات گذر گئی اور دوسری رات میں نصف شب تک پڑھائی، ہم نے بقیہ نصف شب میں بھی پڑھنے کی درخواست کی۔آپ نے فرمایا: جس نے امام کے ساتھ قیام کیا، اس نے پوری شب کا قیام کیا۔تیسری رات میں آپ نے آخر شب میں گھر والوں کو جمع کیا۔اور سب کے ساتھ نماز (تراویح) پڑھی۔یہاں تک کہ ہم کو ڈر ہوا کہ سحری کا وقت ختم نہ ہو جائے۔

اس روایت سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ آپ نے تراویح کو رات کے تینوں حصوں میں ادا فرمایا ہے اور اس کا وقت عشاء کے بعد سے آخر رات تک اپنے عمل کے ذریعہ بتادیا۔

"العرف الشذی" (تقریر ترمذی از مولانا محمد انور شاہ کشمیری دیوبندیؒ) میں ہے۔"لاَمَنَا صَ مِنْ اَنَّ تَرَاوِيْحَهُ عَلَيْهِ السَّلاَمُ كَانَتْ ثَمَانِيَةً وَلَمْ يَثْبُتْ فِيْ رِوَايَةٍ مِنَ الرِّوَايَاتِ اِنَّهُ عليه السلام صَلَّى التَّرَاوِيْحَ وَالتَّهَجُّدَ عَلَى حِدَةٍ فِيْ رَمَضَانَ الخ"

یعنی اس بات کے تسلیم کئے بغیر چارہ نہیں کہ آنحضرتﷺ کی نماز تراویح آٹھ رکعت تھی اور کسی روایت سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ آنحضورﷺ نے نماز تراویح اور تہجد علیحدہ علیحدہ پڑھا۔تراویح یا تہجد کا جماعت کے ساتھ یا تنہا مسجد میں یا گھر میں آخر رات میں پڑھنا افضل ہے۔

حضرت عمر فاروقؓ فرماتے ہیں: وَالَّتِيْ تَنَامُوْنَ عَنْهَا اَفْضَلُ مِنَ الَّتِيْ تَقُوْمُوْنَ تراویح آخر رات میں پڑھنا جس میں تم سوجاتے ہو اول رات میں پڑھنے سے افضل ہے، مگر اس غفلت، حیلہ سازی، بہانہ جوئی، عذر تراشی کے زمانہ میں مسجد میں اول رات میں جماعت کے ساتھ تراویح ادا کی جائے ورنہ اکثر لوگ اس سے غافل ہو کر چھوڑ بیٹھیں گے اور کبھی پورے قرآن کی تلاوت تو در کنار اس کا سماع بھی نصیب نہیں ہوگا۔حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ خلافت میں تراویح باجماعت مسجد میں اول شب میں ہوا کرتی تھی اور آپ نے بھی تین راتوں میں سے پہلی رات میں اول شب میں ادا فرمائی تھی۔

تعداد رکعات تراویح: تراویح کے بارے میں سلف کے مختلف اقوال ہیں: چالیس، چھتیس، چونتیس، اٹھائیس، چوبیس، اڑتیس، بیس، آٹھ، ان اقوال کو عینیؒ وغیرہ نے بالتفصیل ذکر کیا ہے۔ان مختلف اقوال سے اس دعویٰ کی حقیقت واضح ہوگئی کہ بیس رکعت پر حضرت عمرؓ کے زمانہ میں اجماع ہو گیا تھا، ان اقوال مختلفہ میں پچھلا قول یعنی آٹھ رکعت اور وتر کو شامل کر کے کل گیارہ رکعت یہی صحیح ہے اور سنت کے مطابق اور اس کے علاوہ کوئی قول سنت کے موافق نہیں ہے، ہاں اگر کوئی آٹھ رکعت سے زیادہ پڑھنا چاہے تو پڑھ سکتا ہے، چاہے بیس پڑھے یا چوبیس یا اٹھائیس یا چونتیس یا چالیس یا چھتیس، آٹھ کے بعد سب تعداد برابر ہے۔بیس کی کوئی خصوصیت نہیں جیسا کہ آج کل سمجھا جاتا ہے اور نہ یہ سنت عمری ہے بلکہ حضرت عمرؓ نے بھی اپنے زمانہ خلافت میں کل گیارہ ہی رکعت پڑھنے کا حکم دیا تھا۔

دلائل گیارہ رکعت تراویح مع وتر: عَنْ اَبِيْ سَلَمَةَ بْنِ عَبْدِالرَّحْمٰنِ اَنَّهُ سَأَلَ عَائِشَةَ كَيْفَ كَانَتْ صَلٰوةُ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ رَمَضَانَ فَقَالَتْ مَا كَانَ يَزِيْدُ فِيْ رَمَضَانَ وَلاَ فِيْ غَيْرِهِ عَلٰى اِحْدَى عَشَرَ رَكْعَةً. (صحیحین)۔ یعنی رسول اللہﷺ رمضان اور غیر رمضان میں تراویح (تہجد) گیارہ رکعت سے زائد نہیں پڑھتے تھے۔

عَنْ جَابِرٍ قَالَ صَلَّى بِنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ فِيْ شَهْرِ رَمَضَانَ ثَمَانِ رَكَعَاتٍ وَاَوْتَرَ (طبراني، محمد بن نصر، ابن خزيمة، ابن حبان)۔
یعنی آنحضرتﷺ نے ہم کو رمضان کے مہینہ میں آٹھ رکعت تراویح پڑھائی پھر وتر پڑھا۔

عَنْ جَابِرٍ اَنَّهُ قَالَ جَاءَ اُبَيُّ بْنُ كَعْبٍ اِلَى رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ فَقَالَ: يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنَّهُ كَانَ مِنِّي اللَّيْلَةَ شَيْئٌ قَالَ وَمَاذَاكَ يَا اُبَيُّ قَالَ نِسْوَةٌ فِيْ دَارِيْ قُلْنَ اَنْ لاَ نَقْرَأُ الْقُرْآنَ فَنُصَلِّيْ بِصَلٰوتِكَ قَالَ فَصَلَّيْتُ بِهِنَّ ثَمَانِ رَكَعَاتٍ وَاَوْتَرْتُ فَكَانَتْ سُنَّةُ الزَّوَائِدِ وَلَمْ يَقُلْ شَيْئًا. (اخرجه ابو يعلى قال البيهقي في مجمع الزوائد اسناده حسن)۔

حضرت ابی بن کعبؓ آنحضرتﷺ کے پاس آئے اور کہنے لگے کہ مجھ سے رات ایک کام سرزد ہو گیا۔فرمایا کیا ہوا؟ عرض کیا: میرے گھر چند عورتوں نے کہا کہ ہم قرآن نہیں پڑھتیں یعنی زیادہ یاد نہیں رکھتیں۔تمہارے ساتھ نماز پڑھیں گی اور قرآن سنیں گی۔پس میں نے ان کو آٹھ رکعت تراویح پڑھائی اور وتر ادا کیا، آپ خاموش رہے اور یہ سنت رضا ہو گئی۔

عَنِ السَّائِبِ بْنِ يَزِيْدٍ اَنَّهُ قَالَ: اَمَرَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ اُبَيَّ بْنَ كَعْبٍ وَتَمِيْمًا الدَّارِيَّ اَنْ يَّقُوْمَا لِلنَّاسِ بِاِحْدَى عَشَرَ رَكْعَةً الحديث... (اخرجه مالك في الموطا وسعيد بن منصور وابوبكر بن ابي شيبة قال النيموي في آثار السنن: اسناده صحيح)

حضرت عمر بن خطابؓ نے ابی بن کعب اور تمیم داری رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو گیارہ رکعت تراویح پڑھانے کا حکم دیا۔

بیس رکعت والی کوئی روایت اور اثر صحیح طور سے ثابت نہیں ہے، کما حققه شيخنا في شرح الترمذي فليرجع اليه من شاء، علامہ ابن الہمام حنفی اور مولانا عبدالحق دہلوی، مولانا عبدالحئی حنفی اور دیگر علمائے حنفیہ رحمہم اللہ نے بھی بیس رکعت والی مرفوع روایت کو ضعیف بتایا ہے اور گیارہ رکعت کو سنت اور اصل قرار دیا ہے۔

☆☆☆

الشیخ/عبدالولی عبدالقوی

کلمہ شہادت ''لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ'' کی شرطیں

الحمد لله و الصلاة والسلام على رسول الله و أشهد أن لا اله الا الله وحده لا شريك له و أشهد أن محمدا عبده ورسوله و بعد:

جب کلمہ شہادت ''لا إله إلا الله محمد رسول الله'' دین اسلام کی اصل بنیاد، جنت کی کنجی اور جہنم سے حفاظت کا ذریعہ ٹھہرا، تو اس کے لئے شرطوں کی معرفت ہر مسلمان مرد، عورت پر لازم ہے، تاکہ زبان سے اس کا بولنا اور پڑھنا ان کے لئے نفع بخش ہو سکے۔

ہم آپ کی خدمت میں فضیلۃ الشیخ د.عبداللہ بن عبدالرحمٰن الجبرین (اللہ تعالی ان کے مقام ومرتبہ کو بلند فرمائے) کی تالیف ''الشهادتان- معناهما و ما تستلزمه كل منهما'' سے ماخوذ کلمہ شہادت کی شرطوں کو پیش کرتے ہیں، شیخ موصوف لکھتے ہیں:

علماء نے کلمہ شہادت کے لئے سات شرطیں بیان کی ہیں، جسے کسی نے شعر میں اس طرح بیان کیا ہے:

علم ويقين وإخلاص وصدقك مع
محبة وانقياد والقبول لها

ترجمہ: علم، یقین، اخلاص، صدق ومحبت اور انقیاد وقبول۔

مذکورہ بالا شرطیں کتاب وسنت سے دلائل کی تلاش وجستجو اور چھان بین کے بعد لی گئی ہیں، بعض علماء نے ایک آٹھویں شرط کا بھی اضافہ کیا ہے، جسے اس شعر میں نظم کیا گیا ہے:

وزيد ثامنها الكفران منك بما
سوى الإله من الأنداد قد ألها

اور ایک آٹھویں شرط کا اضافہ کیا گیا ہے وہ یہ کہ معبود حقیقی کے علاوہ جنہیں معبود بنالیا گیا ہے ان کا انکار کیا جائے۔

یہ آٹھویں شرط نبی ﷺ کے اس فرمان سے ماخوذ ہے ''من قال لا إله إلا الله و كفر بما يعبد من دون الله حرم ماله و دمه'' (مسلم) جس نے لا الہ الا اللہ کہا، اور اللہ کے سوا جن معبودوں کی پرستش کی جاتی ہے ان کا انکار کر دیا، تو اس کا مال اور خون حرام ہو گیا۔

شیخ الاسلام محمد بن عبدالوہاب رحمہ اللہ ''کتاب التوحید'' میں اس حدیث کے ذکر کے بعد رقمطراز ہیں: ''آپ ﷺ کا یہ فرمان وہ اہم ترین بات ہے جس کے ذریعہ ''لا الہ الا اللہ'' کے معنی کی وضاحت ہوتی ہے، آپ ﷺ نے زبان سے کلمہ کی ادائیگی، نیز زبانی ادائیگی کے ساتھ اس کے معنی کی معرفت، اس کا اقرار بلکہ اللہ وحدہ لاشریک لہ کے سوا کسی اور کے نہ پکارنے تک کو جان ومال کے تحفظ کا ذریعہ قرار نہیں دیا بلکہ صراحت کر دی ہے کہ اس کا مال اور خون اس وقت تک محفوظ نہیں ہوگا جب تک کہ وہ اللہ کے سوا دوسرے معبودوں کا انکار نہ کر دے، اگر وہ اللہ کے سوا دوسرے معبودوں کے انکار کے بارے میں شک وتردد کا شکار ہو، تو اس کا مال اور خون حرام نہیں ہوگا.... آخر تک''۔

اس شرط کا مطلب یہ ہے کہ اللہ کے سوا ہر ایک کی عبادت کے باطل ہونے کا عقیدہ رکھا جائے اور یہ کہ جو شخص اللہ کے حق خالص (حق عبادت) کا کچھ بھی حصہ غیر اللہ کے لئے انجام دے گا، وہ گمراہ، مشرک ہوگا، نیز اللہ کے سوا جن چیزوں کی پوجا کی جاتی ہے، مثلا قبریں، قبے، جگہیں وغیرہ، جو مشرکین کی جہالت وخرافات کے سبب وجود میں آئی ہیں، جو ان کی پوجا کو صحیح قرار دے، یا ان کے غلط یا باطل ہونے کے بارے میں تردد سے کام لے، وہ موحد نہیں ہے، گرچہ زبان سے کلمہ لا الہ الا اللہ کا اقرار کرے اور اللہ کے سوا کسی اور کی پوجا نہ کرے (اس آٹھویں شرط کی اہمیت کے باوجود) ائمہ دعوت رحمہم اللہ کی کتابوں میں سات شرطیں ہی مشہور ہیں، لہذا ہم انھیں دلیلوں سے بیان کرتے ہیں۔

پہلی شرط: علم: اس کی دلیل اللہ کا فرمان ہے: ﴿فَاعْلَمْ أَنَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ﴾ (محمد:۱۹) آپ جان لیں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔

امام مسلم رحمہ اللہ نے عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''من مات وهو يعلم أن لا إله إلا الله دخل الجنة'' جس شخص کا انتقال اس حال میں ہوا کہ وہ لا الہ الا اللہ کا معنی جانتا تھا تو وہ جنت میں داخل ہوگا۔

علم سے مراد کلمہ شہادت کے مدلول اور اس کے مقتضا کے مطابق عمل کی حقیقی معرفت ہے۔ علم کی ضد جہالت ہے اسی جہالت نے اس امت کے مشرکین کو کلمہ شہادت کے معنی کی خلاف ورزی میں مبتلا کر رکھا ہے بایں طور کہ وہ ''الہ'' کے معنی سے نا آشنا، اور نفی ''لا الہ'' اور اثبات ''الا اللہ'' کے مدلول سے نابلد ہیں، اور یہ چیز ان کی نگاہوں سے اوجھل رہی کہ اس کلمہ کے اقرار کا اصل مقصد اس کے معنی کی معرفت ہے، یہی وہ چیز ہے کہ کلمہ کے مدلول ومفہوم کو جاننے والے مشرکوں نے اس کی مخالفت کی، چنانچہ انھوں نے کہا: ﴿أَجَعَلَ الْآلِهَةَ إِلَٰهًا وَاحِدًا﴾ کیا اس نے اتنے سارے

معبودوں کوایک ہی معبود کردیا۔ نیز انھوں نے کہا﴿ أَنِ امْشُوْا وَاصْبِرُوْا عَلٰى آلِهَتِكُمْ﴾ (ص:٦) چلو جی اوراپنے معبودوں پر جمے رہو۔

دوسری شرط: یقین، اس کی ضد شک وتردد یا مجرد گمان وشبہہ ہے۔ یقین کا مفہوم یہ ہے کہ کلمہ گوکلمہ کی گواہی دل کے یقین کامل کے ساتھ دے رہا ہو، اوراپنی اس کہی ہوئی بات کی صحت کا اعتقاد رکھتا ہو کہ اللہ سبحانہ تعالی معبود ہونے کا غایت درجہ مستحق ہے، محمد ﷺ کی نبوت درست ہے، اوراللہ تعالی کے سواکسی کے اندر بھی کسی طرح کی الوہیت باطل اورمحمد ﷺ کے بعد ہر مدعی نبوت جھوٹا ہے۔ لہذا اگر کوئی شخص کلمہ کے معنی کی صحت، یاغیراللہ کی عبادت کے باطل ہونے کے بارے میں شک وتردد سے کام لیتا ہے، تو یہ کلمہ اس کے لئے نفع بخش نہ ہوگا، ان شرطوں کی دلیل صحیح مسلم کی وہ روایت ہے جسے ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نبی ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے کلمہ شہادت ''لاالہ الا اللہ محمد رسول اللہ'' کی بابت فرمایا: ''**لا يلقى الله بهما عبد غير شاك فيهما إلا دخل الجنة**'' جو بندہ اللہ سے اس کلمہ کے ساتھ اس حال میں ملے کہ وہ اس کے بارے میں شک نہ کرتا ہو، تو وہ جنت میں داخل ہوگا۔

اورصحیح مسلم ہی میں ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ان سے فرمایا: ''**من لقيت وراء هذا الحائط يشهد أن لا إله إلا الله مستيقنا بها قلبه فبشره بالجنة**'' اس باغ کے پیچھے تمہاری ملاقات کسی ایسے شخص سے ہو جو دل کے یقین سے کلمہ لا الہ الا اللہ کی گواہی دیتا ہو، تو تم اسے جنت کی بشارت دے دو۔

اللہ ﷻ نے یقین کے وصف سے متصف مومنوں کی تعریف اپنے اس فرمان میں کی ہے: ﴿إِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ آمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ثُمَّ لَمْ يَرْتَابُوْا﴾ (الحجرات:١٥) مومن تو وہ ہیں جو اللہ پر اوراس کے رسول پر ایمان لائے پھر شک وشبہہ نہ کیا۔ اورمنافقین کی مذمت ان الفاظ میں کی ہے ﴿ وَارْتَابَتْ قُلُوْبُهُمْ فَهُمْ فِيْ رَيْبِهِمْ يَتَرَدَّدُوْنَ﴾ (توبہ:٤٥) جن کے دل شک وشبہ میں پڑے ہوئے ہیں اوروہ اپنے شک ہی میں سرگرداں ہیں۔

عبداللہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے انھوں نے کہا: ''صبر نصف ایمان، اور یقین مکمل ایمان ہے''۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ جو شخص کلمہ شہادت کے معنی پر یقین رکھنے والا ہوگا اس کے اعضاء وجوارح خالص ایک رب کی عبادت اوررسول ﷺ کی فرماں برداری کے لئے اٹھ کھڑے ہونگے۔

تیسری شرط: قبول، جوانکار کے منافی ہو، کیوں کہ بعض لوگ کلمہ کے معنی کو جانتے اور اس کے مدلول پر یقین رکھتے ہیں لیکن ازراہ تکبر وحسد اسے قبول نہیں کرتے، یہودونصاری کے علماء کی یہی حالت تھی کہ وہ خالص ایک اللہ کی الوہیت کی گواہی دیتے تھے اورمحمد ﷺ کوویسے ہی پہچان لیا تھا، جس طرح اپنے بیٹوں کو پہچانتے تھے لیکن اس کے باوجود حق قبول نہ کیا، جیسا کہ اللہ تعالی نے ان کی بابت فرمایا: ﴿حَسَدًا مِنْ عِنْدِ أَنْفُسِهِمْ مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمُ الْحَقُّ﴾ (البقرۃ:١٠٩) حق کے واضح ہوجانے کے بعد محض حسد وبغض کی بنا پر (حق کا انکار کرتے تھے)

اسی طرح مشرکین مکہ بھی ''لا الہ الا اللہ'' کا معنی جانتے اور محمد ﷺ کی صداقت کے بھی معترف تھے لیکن تکبر کی وجہ سے قبول نہیں کرتے تھے، جیسا کہ اللہ تعالی نے فرمایا: ﴿إِنَّهُمْ كَانُوْا إِذَا قِيْلَ لَهُمْ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ يَسْتَكْبِرُوْنَ﴾ (الصافات:٣٥) یہ وہ لوگ ہیں کہ جب ان سے کہا جاتا تھا کہ اللہ کے سوا کوئی معبود برحق نہیں تو تکبر کرتے تھے۔

نیز اللہ نے فرمایا: ﴿فَإِنَّهُمْ لَا يُكَذِّبُوْنَكَ وَلٰكِنَّ الظَّالِمِيْنَ بِآيَاتِ اللّٰهِ يَجْحَدُوْنَ﴾ (الانعام:٣٣) سو یہ لوگ (کفار) آپ کو جھوٹا نہیں کہتے لیکن یہ ظالم تو اللہ کی آیتوں کا انکار کرتے ہیں۔

چوتھی شرط: انقیاد (مکمل سپردگی)، انقیاد وقبول کے مابین فرق یہ ہے کہ عملی پیروی کو انقیاد اور معنی کلمہ کی صحت کے زبانی اظہار کو قبول کہتے ہیں اوران دونوں سے اتباع لازم آتی ہے، لیکن انقیاد کا معنی حکم برداری، اطاعت شعاری اور احکام الٰہیہ میں لیت ولعل سے دور رہنا ہے۔

اللہ تعالی نے فرمایا: ﴿وَأَنِيْبُوْا إِلٰى رَبِّكُمْ وَأَسْلِمُوْا لَهٗ﴾ (الزمر:٥٤) تم سب اپنے پروردگار کی طرف جھک پڑو، اوراس کی حکم برداری کرو۔

نیز اللہ تعالی نے فرمایا: ﴿وَمَنْ أَحْسَنُ دِيْنًا مِمَّنْ أَسْلَمَ وَجْهَهٗ لِلّٰهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ﴾ باعتبار دین کے اس سے اچھا کون ہے، جو اپنے کو اللہ کے تابع کردے اور ہو بھی نیکوکار۔

نیز اللہ ﷻ نے فرمایا: ﴿وَمَنْ يُسْلِمْ وَجْهَهٗ إِلَى اللّٰهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰى﴾ جو شخص اپنے آپ کو اللہ کے تابع کردے اور ہو بھی نیکوکار، یقیناً اس نے مضبوط کڑا تھام لیا۔

اللہ تعالی کے لئے انقیاد یہی ہے کہ سبھی عبادت خالص اسی کے لئے انجام دی جائے۔

البتہ نبی ﷺ کے لئے انقیاد یہ ہے کہ آپ ﷺ کی سنتوں کو مانا جائے، جو کچھ آپ لے کر آئے ہیں اس کی پیروی کی جائے اور آپ کے فیصلوں سے راضی رہا جائے، جس کو اللہ تعالی نے اپنے اس فرمان میں ذکر فرمایا ہے: ﴿فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوْا فِيْ أَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا﴾ (النساء:٦٥) سو قسم ہے تیرے پروردگار کی، یہ مومن نہیں ہوسکتے جب تک کہ تمام آپس کے اختلافات میں آپ کو حاکم نہ مان لیں، پھر جو فیصلے آپ ان میں کردیں ان سے اپنے دل میں کسی طرح کی تنگی اورنا

خوشی نہ پائیں اور فرمابرداری کے ساتھ قبول کرلیں۔

چنانچہ اللہ ﷻ نے انکے ایمان کی صحت کے لئے یہ شرط لگائی ہے کہ نبی ﷺ اپنے رب کی جانب سے جو کچھ لے کر آئے ہیں اسے فرماں برداری کے ساتھ قبول کرلیا جائے۔

پانچویں شرط: صداقت، اس کی ضد کذب ہے، اس شرط کا ذکر صحیح حدیثوں میں ملتا ہے، چنانچہ آپ ﷺ نے فرمایا: "**من قال لا إله إلا الله صادقا من قلبه دخل الجنة**" جس نے صدق دل سے "لا الہ الا اللہ" کا اقرار کیا، وہ جنت میں داخل ہوا۔

البتہ جو شخص زبان سے اس کلمہ کو پڑھے اور دل سے اس کے معانی کا انکار کرے، تو یہ اس کی نجات کا ذریعہ نہیں ہوگا، جیسا کہ اللہ ﷻ نے منافقین کا قول ان الفاظ میں نقل فرمایا ہے: ﴿نَشْهَدُ إِنَّكَ لَرَسُوْلُ اللّٰهِ﴾ (المنافقون:١) ہم اس بات کے گواہ ہیں کہ بیشک آپ اللہ کے رسول ہیں۔

اللہ تعالی نے ان کی تردید میں فرمایا: ﴿وَاللّٰهُ يَعْلَمُ إِنَّكَ لَرَسُوْلُهٗ وَ اللّٰهُ يَشْهَدُ إِنَّ الْمُنَافِقِيْنَ لَكَاذِبُوْنَ﴾ اور اللہ جانتا ہے کہ یقیناً آپ اللہ کے رسول ہیں اور اللہ گواہی دیتا ہے کہ یہ منافقین قطعا جھوٹے ہیں۔

اسی طرح اللہ تعالی نے ایک دوسری آیت کریمہ میں ان کے جھوٹ کو واضح فرمایا: ﴿وَ مِنَ النَّاسِ مَنْ يَّقُوْلُ آمَنَّا بِاللّٰهِ وَبِالْيَوْمِ الْآخِرِ وَ مَا هُمْ بِمُؤْمِنِيْنَ﴾ بعض لوگ کہتے ہیں کہ ہم اللہ تعالی پر اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتے ہیں لیکن درحقیقت وہ ایمان والے نہیں ہیں۔

چھٹی شرط: اخلاص، اس کی ضد شرک ہے۔ اللہ تعالی نے فرمایا: ﴿فَاعْبُدِ اللّٰهَ مُخْلِصًا لَّهُ الدِّيْنَ أَلَا لِلّٰهِ الدِّيْنُ الْخَالِصُ﴾ (الزمر:١-٢) آپ اللہ ہی کی عبادت کریں اس کے لئے دین کو خالص کرتے ہوئے، خبردار! اللہ ہی کے لئے خالص عبادت کرنا ہے۔

نیز اللہ تعالی نے فرمایا: ﴿قُلْ إِنِّيْ أُمِرْتُ أَنْ أَعْبُدَ اللّٰهَ مُخْلِصًا لَّهُ الدِّيْنَ﴾ (الزمر:١١) آپ کہہ دیجئے کہ مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں اللہ تعالی کی عبادت کروں اس کے لئے دین کو خالص کرتے ہوئے۔

نیز فرمان الہی: ﴿قُلِ اللّٰهَ أَعْبُدُ مُخْلِصًا لَّهٗ دِيْنِيْ﴾ (الزمر:١٤) آپ کہہ دیجئے کہ میں تو اپنے دین کو خالص کر کے صرف اپنے رب کی عبادت کرتا ہوں۔

صحیح بخاری میں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: "**أسعد الناس بشفاعتي من قال لا إله إلا الله خالصا من قلبه**" میری شفاعت کا سب سے زیادہ مستحق وہ ہوگا جو خلوص دل کے ساتھ کلمہ "لا الہ الا اللہ" پڑھے۔

حدیث عتبان میں بھی اسی مفہوم کو بیان کیا گیا ہے، آپ ﷺ نے فرمایا: "**فان الله حرم على النار من قال لا إله إلا الله يبتغي بذلك وجه الله**" اللہ تعالی نے اس شخص کے جسم کو جہنم پر حرام کردیا ہے جو "لا الہ الا اللہ" کہے بشرطیکہ اس کی نیت اس سے اللہ کی رضا طلبی ہو۔

اس طرح اخلاص کا مفہوم یہ ہوا کہ ہر طرح کی عبادت خالص ایک اللہ کے لئے انجام دی جائے اور اس کا معمولی سا حصہ بھی کسی مقرب فرشتے اور نہ ہی کسی بھیجے ہوئے رسول یا کسی اور کے لئے انجام نہ دیا جائے، نیز نبی ﷺ کی اتباع میں بھی اخلاص ہو، بایں طور کہ آپ کی سنتوں پر اکتفا کیا جائے، آپ ہی کو فیصل مانا جائے اور تمام تر بدعات وخرافات اور خلاف سنت کاموں کو چھوڑ دیا جائے، نیز ان وضعی قوانین و عادات کی جانب اپنے مقدمے نہ لے جائے جائیں جنھیں انسانوں نے ایجاد کیا ہے اور وہ شریعت سے ٹکراتے ہیں، لہذا جو شخص وضعی قوانین سے راضی ہوا اور ان کے مطابق فیصلے کیا، وہ شرط اخلاص کو پورا کرنے والا نہیں ہے۔

ساتویں شرط: محبت، یہ بغض ونفرت کے منافی ہے، لہذا ایک بندہ مسلم پر ضروری ہے کہ وہ اللہ، اس کے نیک وصالح اور اس کے اطاعت گزار بندوں سے محبت رکھے، جب یہ محبت صحیح ہوگی تو جسم پر اس کے آثار رونما ہوں گے، چنانچہ محبت میں سچا بندہ مسلم اللہ ورسول کی فرماں برداری کرتا ہے اور اللہ کی اس طرح عبادت کرتا ہے جس طرح عبادت کرنے کا حق ہے، بلکہ وہ اللہ کی فرماں برداری میں لذت محسوس کرتا اور اللہ جن باتوں اور کاموں کو پسند فرماتا ہے ان کو بجالانے میں جلدی کرتا ہے، نیز وہ گناہوں سے بچتا، ان سے دور رہتا اور گناہ گاروں سے بغض رکھتا اور نفرت کرتا ہے، گرچہ وہ گناہ دل کو پسند اور عادتاً لذیذ ہوں، کیوں کہ وہ جانتا ہے کہ جہنم کو من پسند چیزوں اور لذتوں سے اور جنت کو مکروہ اور پریشانیوں سے گھیر دیا گیا ہے۔

پھر جب ایک بندہ مسلم کا حال یہ ہو تو یہ اس بات کی دلیل ہے کہ وہ اللہ ورسول سے اپنی محبت میں سچا ہے اسی وجہ سے جب ذوالنون المصری رحمہ اللہ سے پوچھا گیا کہ میں اپنے رب سے محبت کرنے والا کب ہوں گا؟ تو انہوں نے کہا: جب اللہ کی ناپسندیدہ چیزیں تمہارے نزدیک ایلوا سے بھی زیادہ کڑوی ہو جائیں۔

بعض اہل علم کہتے ہیں کہ جو شخص اللہ کی محبت کا دعویدار ہو لیکن اس کے حکموں کے مطابق نہ چلے تو اس کا دعوی باطل ہے۔

اللہ ﷻ نے اپنی محبت کے لئے نبی ﷺ کی اتباع کی شرط لگائی ہے، چنانچہ فرمایا: ﴿قُلْ إِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَ يَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ ....﴾ کہہ دیجئے کہ اگر تم اللہ تعالی سے محبت رکھتے ہو تو میری تابعداری کرو خود اللہ تعالی تم سے محبت کرے گا اور تمہارے گناہوں کو معاف فرمادے گا۔

فضیلة الشیخ العلامة عبد الله بن عبد الرحمن الجبرین نور الله مرقده و أسكنه الفردوس الاعلى کی تحریر کا ترجمہ ☆☆

مہر نبوت

مولانا محمد صادق سیالکوٹیؒ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پشت مبارک پر دونوں کندھوں کے درمیان کبوتر کے انڈے کی مانند گوشت کا ابھار تھا۔ غدہ حمراء۔ سرخ رنگ کی گوشت کی گرہ اس کو مہر نبوت کہا جاتا تھا۔ بعض صحابہ نے موقع پاکر اس کو چوما بھی ہے۔ یہ چیز آپ کے خاتم النبیین ہونے کی نشانی تھی۔

حضرت جابر بن سمرہؓ کہتے ہیں:

رایت الخاتم بین کتفی رسول الله صلی الله علیه وسلم غدة حمراء مثل بیضة الحمامة (شمائل ترمذی)

''میں نے مہر نبوت کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دونوں مونڈھوں کے درمیان دیکھا۔ سرخ رنگ کی گوشت کی گرہ۔ مقدار میں کبوتر کے انڈے جیسی۔''

سلمان فارسیؓ مہر نبوت کو دیکھ کر مسلمان ہوئے:

سلمان فارسیؓ مدینہ میں یہود بنی قریظہ کے غلام تھے۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت فرما کر مدینہ منورہ تشریف لائے۔ تو حضرت سلمانؓ حضورؐ کی خدمت میں ایک خوان لائے جس میں تازہ کھجوریں تھیں۔ حضورؐ نے پوچھا سلمان! یہ کیسی کھجوریں ہیں؟ انہوں نے کہا۔ کہ آپ پر اور آپ کے ساتھیوں پر صدقہ ہیں۔ مزکی عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہم (یعنی میں اور میری آل) صدقہ نہیں کھاتے، اسے میرے پاس سے اٹھالو۔ دوسرے دن سلمان پھر کھجوروں کا طباق لے کر حاضر ہوئے۔ آپ نے پوچھا۔ یہ کیسی کھجوریں ہیں۔ انہوں نے عرض کیا، آپ کے لئے ہدیہ ہے۔ حضورؐ نے فرمایا۔ ہاتھ بڑھاؤ۔ (آپ نے بھی وہ کھجوریں نوش فرمائیں اور صحابہؓ نے بھی)

حضرت سلمانؓ نے بہت بڑی عمر پائی۔ وہ پرانے زمانے کے علماء میں سے تھے تورات اور انجیل پران کو بڑا اعبور تھا۔ انہوں نے سابقہ کتابوں میں پڑھا ہوا تھا کہ پیغمبر آخرالزماں کی نشانیوں میں سے تین نشانیاں یہ بھی ہیں۔ کہ وہ پیغمبر صدقہ قبول نہیں کرے گا۔ ہدیہ قبول کرے گا۔ اور اس کی پشت پر مہر نبوت ہوگی۔

دو نشانیاں تو سلمانؓ نے حضورؐ میں پالیں۔ اور دل میں کہنے لگے کہ واقعی اس پیغمبر نے صدقہ قبول نہیں کیا ہے۔ ہدیہ قبول کرلیا ہے۔ اب مہر نبوت کا دیکھنا باقی رہ گیا۔

اس کی زیارت اس طرح ہوگئی کہ حضورؐ بقیع میں تشریف فرما تھے۔ (کسی جنازے کی شرکت کی وجہ سے) سلمانؓ نے حضورؐ کو سلام کیا۔ اور آپؐ کی پشت مبارک کی طرف گھومنے لگے۔ حضورؐ سمجھ گئے اور اپنی چادر مبارک پشت سے ہٹادی۔ سلمانؓ نے مہر نبوت کو دیکھا اور جوش میں آکر اس پر جھک گئے۔ اور فرط محبت سے اسے چوم لیا۔ سلمان، مہر نبوت کو چوم رہا تھا۔ اور رو رہا تھا۔ حضورؐ نے فرمایا۔ سلمان سامنے آؤ۔ سامنے آئے۔ اور سارا قصہ سنایا۔ کہ میں آپ کو رسول اور آقا ماننے کے لئے تین نشانیاں دیکھنا چاہتا تھا۔ کیونکہ پہلی کتابوں میں یہ نشانیاں لکھی ہوئی ہیں۔ میں نے حضورؐ میں وہ تینوں پالی ہیں۔ پہلی۔ آپ نے صدقہ قبول نہیں کیا۔ دوسری آپ نے ہدیہ قبول کرلیا۔ (رد نہیں کیا) تیسری۔ مہر نبوت **أشهد أن لا اله الا الله وأشهد ان محمدا رسول الله.**

رحمتؐ عالم کا حضرت سلمانؓ پر احسان:

حضرت سلمانؓ یہود مدینہ کے غلام تھے۔ حضورؐ نے انہیں کہا۔ کہ تم جاکر اپنے آقا سے مکاتبت کا معاملہ کرلو۔ حضرت سلمانؓ نے معاملہ کرلیا۔ آقا نے دو چیزیں بدل کتابت مقرر کیں۔ ایک یہ کہ چالیس اوقیہ سونا نقد دوسری یہ کہ تین سو درخت کھجور کے لگائیں۔ حتیٰ کہ پھل دیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کہیں سے سونا آیا۔ حضورؐ نے سلمانؓ کو وہ سونا دے کر کہا کہ اسے جاکر اپنی کتابت میں دے دو۔ سلمانؓ نے عرض کیا۔ حضورؐ! کیا یہ کافی ہوگا؟ (بدل کتابت تو چالیس اوقیہ ہے۔ اور یہ تھوڑا ہے) ارشاد ہوا عجب نہیں کہ اللہ اسی سے پورا کردے۔ حضرت سلمانؓ آقا کے پاس گئے اور اس میں سے چالیس اوقیہ سونا وزن کرکے دے دیا۔ (سبحان اللہ یہ حضورؐ کا معجزہ ہے)

باقی رہے تین سو درخت کھجور کے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دست مبارک سے وہ درخت لگائے۔ (سبحان اللہ) وہ درخت اسی سال پھل لے آئے۔ پس یہ تین سو پھل دار درخت بھی بدل کتابت میں دے دیئے۔ اور حضرت سلمانؓ آزاد ہوگئے۔ گویا حضورؐ نے ہی انہیں (معجزانہ طور پر) آزاد کرایا۔

☆☆☆

محمد شمس الحق عبدالحق سلفی

دعوت الی اللہ اور ہماری ذمہ داری (۲)

دعوت الی اللہ کا کام ہمہ وقتی ہے : دعوت کا کام ہر وقت جاری وساری ہوتا ہے۔ دعوت ہر لحہ ہر معاشرہ میں دعوت اپنا اثر دکھارہی ہوتی ہے۔ کوئی شخص دعوت کا لبادہ اوڑھے یا نہ اوڑھے دعوت اپنا اثر ہر وقت دکھارہی ہوتی ہے۔ اللہ رب العالمین کا ارشاد ہے۔" وَلَا يَصُدُّنَّكَ عَنْ آيَاتِ اللَّهِ بَعْدَ إِذْ أُنزِلَتْ إِلَيْكَ وَادْعُ إِلَىٰ رَبِّكَ وَلَا تَكُونَنَّ مِنَ الْمُشْرِكِينَ" (سورہ قصص 87) خیال رکھیے کہ یہ کفار آپ کو اللہ تعالی کی آیتوں کی تبلیغ سے روک نہ دیں اس کے بعد کہ یہ آپ کی جانب اتاری گئیں، تو آپ اپنے رب کی طرف بلاتے رہیں اور شرک کرنے والوں میں سے نہ ہوں۔ یعنی ان کافروں کی باتیں ان کی ایذاء رسانی اور ان کی طرف سے دعوت وتبلیغ کی راہ میں رکاوٹیں آپ کو قرآن کریم کی تلاوت اور اس کی تبلیغ سے نہ روک دیں۔ بلکہ آپ پوری تندہی سے ہمہ وقت یک سوئی سے اللہ کی طرف دعوت کا کام کرتے رہیں، کافر آپ کو اس کام سے نہ روک دیں، آپ کی طرف سارا قرآن نازل ہو چکا ہے۔ ساری رہنمائی آگئی ہے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ آپ خود داعی نہ رہیں اور کسی کی دعوت کا شکار ہو جائیں۔ نتیجہ یہ نکلا بات یہ سمجھ میں آئی کہ جو فعال داعی نہیں ہوتا، جس کا کردار اتنا مضبوط نہیں ہوتا کہ دوسروں کو متاثر کرے تو وہ خود کسی نہ کسی کی دعوت سے متاثر ہو جاتا ہے، جو داعی نہیں ہوتا وہ مدعو ہو جاتا ہے۔ لوگ کہتے ہیں کہ ہم وطن عزیز ہندوستان میں دعوت وتبلیغ کا کام کیسے کریں تو اس کا جواب میں یہ کہا جائے گا کہ ہمیں اس فقہی نقطہ میں پڑھنا نہیں ہے کہ کس طرح دعوت کا طریقہ اپنایا جائے۔ میں کہتا ہوں اگر مسلمان اپنے افعال وکردار اور حسن اخلاق سے داعی ہے تو وہ دنیا کی کسی حصہ میں بھی ہوگا اس کے خوشبو سے پوری دنیا معطر ہوگی اور وہ داعی ہوگا۔ تاریخ کے مطالعہ سے ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم، آپ کے صحابہ کرام رضوان اللہ اجمعین ہر جگہ صرف داعی بن کے نہیں گئے، بلکہ کہیں تجارت کی غرض سے گئے، تو کہیں اسلامی حکومت کی جانب سے سفیر بن کر تشریف لے گئے، لیکن اسلام پھیل گیا، مقصد تجارت و سفارت تھا لیکن لوگ ان لوگوں کے افعال و کردار، حسن اخلاق اور اسلامی وضعداری کو دیکھ کر متاثر ہو گئے اور مسلمان ہو گئے۔ یہ واقعہ روز روشن کی طرح عیاں ہے کہ محمد بن قاسم ثقفی رحمہ اللہ نے اپنی صلاحیتوں، جرأت اور حسن تدبیر واخلاق کریمانہ کے باعث ہندوستان میں جو کارنامے انجام دیے وہ قابل ذکر ہیں۔ سندھ کے عوام کے لیے رواداری مساوات اور عدل وانصاف کی بڑی عمدہ پالیسی اختیار کی، ان کے اخلاق وکردار کا اندازہ اس سے بھی لگایا جا سکتا ہے کہ ایک غیر قوم ان کی گرویدہ ہو گئی تھی، لوگ ان کے دعوتی انداز سے اس طرح متاثر ہو گئے تھے کہ جب محمد بن قاسم سندھ سے رخصت ہونے لگے تو سارے سندھ میں ان کے جانے پر اظہار افسوس کیا گیا۔ اس کی تفصیل فتوح البلدان تاریخ سندھ وغیرہ تاریخ کی کتابوں میں دیکھی جا سکتی ہے۔ دعوتی کام ایسا ہے اگر آپ اپنے کردار، اخلاق اور اقوال سے دعوت نہیں دے رہے ہیں تو آپ کسی سے دعوت لے رہے ہیں۔

ایک طالب علم کا واقعہ ہے کہ وہ اعلی تعلیم کے لیے لندن گیا تھا۔ وہ مزدوری بھی کرتا تھا اور تعلیم بھی حاصل کرتا تھا۔ قیام کے لیے انہوں نے اجتماعی ہال میں جگہ لی، (جہاں لوگ اجتماعی طور پر رہتے ہیں) وہ اس میں رہنے لگا سارا دن علم حاصل کرنے اور محنت ومزدوری میں گزارتا، رات کو اجتماعی ہال میں لوگوں کے ساتھ آرام کرتا اور پچھلی رات اٹھ کر اپنے مالک حقیقی اللہ رب العالمین سے روتا گڑگڑاتا اور دعائیں کرتا، اس ہال کے اہل خانہ نے دیکھا کہ یہ بندہ روتا کیوں؟ اس کا کیا مسئلہ ہے؟ اس سے لوگوں نے پوچھا تمہیں کیا ہو گیا ہے؟ کسی نے مارا ہے کسی نے تمہارے حق غصب کیا ہے؟ روتے کیوں ہو؟ اس نے کہا میں اپنے اللہ سے روتا ہوں۔ لوگوں نے پھر سوال کیا بھائی اللہ سے کیوں روتے ہو، مسئلہ کیا ہے؟ اس نے تفصیل سے سمجھایا کہ کیوں روتا ہوں۔ یہ سن کر سارا فیملی مسلمان ہو گیا۔ وہ طالب علم تو لندن داعی مبلغ بن کر نہیں آیا تھا بلکہ وہ تعلیم حاصل کر رہا تھا، مزدوری کر رہا تھا۔ گھر والوں نے بھیجا تھا کہ میرا بچہ ڈگری حاصل کرے گا اور واقعی بڑی ڈگری حاصل کر لی، حقیقی معنوں میں اللہ نے اس کو بڑا بنا دیا لوگوں کو اپنے اعمال صالحہ کے ذریعے متاثر کر دیا۔ اس طرح مخلص داعی بننا چاہیئے۔ لہذا اس واقعہ سے بھی معلوم ہوا کہ دعوت کا کام ہمہ وقت ہو رہا ہے۔

دعوت اسلام کا مقصود و مطلوب: (1)-کافروں کو کفر و ضلالت کے ظلمات سے نکال کر نور ہدایت کی طرف لانا ہے۔ جیسا کہ اللہ رب العالمین کا ارشاد ہے۔" كِتَابٌ أَنزَلْنَاهُ إِلَيْكَ لِتُخْرِجَ النَّاسَ مِنَ الظُّلُمَاتِ إِلَى النُّورِ بِإِذْنِ رَبِّهِمْ إِلَىٰ صِرَاطِ الْعَزِيزِ الْحَمِيدِ" (سورہ ابراھیم) یہ عالی شان کتاب ہم نے آپ کی طرف اتاری ہے کہ آپ لوگوں کو اندھیروں سے اجالے کی طرف لائیں ان کے پروردگار کے حکم سے زبردست اور تعریفوں والے اللہ کی طرف۔(2)-مقصد تخلیق انسانیت کو پورا کرنا اور وہ اللہ وحدہ لاشریک کی عبادت کرنا۔(3)-نادان وجاہلوں کو جہالت کی اندھیروں سے نکال کر نور علم سے روشناس کرنا ہے۔(4)-گناہوں سے لت پت لوگوں کو گناہ کے اندھیروں سے نکال کر نور اطاعت واتباع کا عادی بنانا ہے۔(5)-اللہ کی ذات اقدس اور اس کے اسماء و صفات کی معرفت اور شرک کی تمام صورتوں سے اجتناب کے لیے لوگوں کی رہنمائی کرنا .(6)-لوگوں کو دینی احکام کی تعلیمات دینا اور ان میں تفقہ فی الدین کا ملکہ پیدا کرنا تاکہ وہ علی وجہ البصیرت اپنے رب کی عبادت کرسکیں۔ یہی دعوت اسلام کا مقصود ہے کہ لوگوں کو ظلمات اور جہالت کی تاریکیوں سے نکال کر نور اور روشنی کی طرف لانا اور حق کی طرف ان کی رہنمائی کرنا، اللہ رب العالمین کا ارشاد ہے۔" اللَّهُ وَلِيُّ

الَّـذِينَ آمَنُوا يُخْرِجُهُم مِّنَ الظُّلُمَاتِ إِلَى النُّورِ" (سورہ بقرہ257)اللہ تعالی ایمان والوں کا دوست ہے وہ انہیں تاریکیوں سے نور کی طرف نکال کر لاتا ہے۔

داعی کے اوصاف: ایک داعی کے لیے عام لوگوں کی بنسبت زیادہ ضروری ہے کہ وہ اسلامی اوصاف، دینی اخلاق وآداب سے متصف ہو، اخلاق قبیحہ رذیلہ سے پاک صاف ہو، اطاعت، معرفت اور خشیت الہی کا پیکر ہو، نیک نیتی ،اخلاص، شکر گزاری اور تسلیم ورضا اس کا شعار ہو،اس کا مطمع نظر انسانیت کی فلاح و بہبود اور اصلاح احوال ہو،علوم وفنون سے آرستہ ہو، مادی مفادات سے دل خالی ہو،جیسا کہ اللہ رب العالمین کا ارشاد ہے۔"قُلْ مَا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ أَجْرٍ "(سورہ ص86) آپ فرما دیجئے کہ میں تم سے اس دعوت وتبلیغ پر کچھ بھی معاوضہ نہیں مانگتا۔داعی کے لیے یہ بھی ضروری ہے کہ سچائی اور دیانت داری کا دامن تھامے رکھے اور لوگوں کو نصیحت کرنے سے قبل اس پر خود عمل پیرا ہو۔رب ذوالجلال کا ارشاد ہے ۔أَتَأْمُرُونَ النَّاسَ بِالْبِرِّ وَتَنسَوْنَ أَنفُسَكُمْ وَأَنتُمْ تَتْلُونَ الْكِتَابَ أَفَلَا تَعْقِلُونَ (سورہ بقرہ44) کیا لوگوں کو بھلائی کا حکم کرتے ہو،اور خود اپنے آپ کو بھول جاتے ہو باوجود کہ تم کتاب پڑھتے ہو، کیا اتنی بھی تم میں سمجھ نہیں۔اسی طرح داعی کے لیے ضروری ہے کہ صبر وتحمل اختیار کریں اور جبر وتشدد کا رویہ نہ اپنائیں، کیونکہ انتفاع بالحق کا یہ اقرب ترین ذریعہ ہے۔اللہ رب العالمین نے جب سیدنا موسی علیہ السلام اور ہارون علیہ السلام کو فرعون کی طرف رسول بنا کر بھیجا تو انہیں حکم فرمایا۔فَقُولَا لَهُ قَوْلًا لَّيِّنًا لَّعَلَّهُ يَتَذَكَّرُ أَوْ يَخْشَىٰ (سورہ طہ44) اسے نرمی سے سمجھاؤ کہ شاید وہ سمجھ لے یا ڈر جائے۔کیونکہ سختی سے لوگ بدکتے ہیں اور دور بھاگتے ہیں اور نرمی سے قریب آتے ہیں اور متاثر ہوتے ہیں اگر وہ ہدایت قبول کرنے والے ہوتے ہیں۔

یہی وجہ ہے کہ دعوت کے میدان میں نرمی برتنے کو اللہ رب العالمین نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر عظیم نعمت ورحمت قرار دیتے ہوئے کہا۔فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللَّهِ لِنتَ لَهُمْ وَلَوْ كُنتَ فَظًّا غَلِيظَ الْقَلْبِ لَانفَضُّوا مِنْ حَوْلِكَ {(سورہ ال عمران159) اللہ کی رحمت کی باعث آپ ان پر رحم دل ہیں اور اگر آپ بدزبان سخت دل ہوتے تو یہ سب آپ کے پاس سے چھٹ جاتے۔ یہ نرمی دعوت وتبلیغ کے لیے نہایت ضروری ہے۔اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اندر یہ نرمی نہ ہوتی، بلکہ اس کے برعکس آپ صلی اللہ علیہ وسلم تند خو اور سخت دل ہوتے تو لوگ آپ کے قریب ہونے کے بجائے دور بھاگتے اس لیے ہر داعی کے لیے مذکورہ تمام اوصاف سے متصف ہونا ضروری ہے۔

☆☆☆

مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند کے زیر اہتمام

پندرھواں آل انڈیا ریفریشر کورس

۴/مئی ۲۰۲۵ء تا ۱۱/مئی ۲۰۲۵ء بمطابق ۵/ذوالقعدہ ۱۴۴۶ھ تا ۱۲/ذوالقعدہ ۱۴۴۶ھ

بمقام: اہل حدیث کمپلیکس، ابوالفضل انکلیو، جامعہ نگر، اوکھلا، نئی دھلی

دعاۃ ومعلمین اور ائمہ کے لیے یہ خبر باعث مسرت ہوگی کہ مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند کے زیر اہتمام گزشتہ سالوں کی طرح امسال بھی "چودھواں آل انڈیا ریفریشر کورس برائے ائمہ، دعاۃ ومعلمین" کا انعقاد ہونے جا رہا ہے۔ جو مورخہ ۴/مئی ۲۰۲۵ء سے شروع ہو کر ۱۱/مئی ۲۰۲۵ء کو اختتام پذیر ہوگا۔ان شاءاللہ۔امید ہے کہ یہ دورہ تدریبیہ بھی گزشتہ سالوں کی طرح فوائد سے بھرپور ہوگا۔جماعت کے مشاہیر اہل علم وتحقیق اور دعاۃ ومربیین ودیگر عصری وقانونی ماہرین مشارکین کو اپنے علمی، تدریسی، دعوتی تجربات سے بہرہ ور فرمائیں گے۔صوبائی جمعیات اہل حدیث کے امراء ونظماء سے اپیل ہے کہ وہ اپنے اپنے نمائندگان کے نام جلد از جلد ارسال کریں۔ہر صوبائی جمعیت سے دو نمائندگان مطلوب ہیں۔

نوٹ: دورہ تدریبیہ کا افتتاحی اجلاس ۴/مئی ۲۰۲۵ء، اتوار کو صبح ۸/بجے اہل حدیث کمپلیکس میں منعقد ہوگا۔جس میں تمام مشارکین دورہ تدریبیہ کی شرکت ضروری ہے۔

شعبہ تعلیم وتربیت: مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند

ترجمہ وتلخیص: مولانا عزیز احمد مدنی
استاذ المعھد العالی للتخصص فی الدراسات الاسلامیہ، نئی دہلی

تحریر: ڈاکٹر عبداللطیف بن عبدالعزیز آل الشیخ

عورت کے حقوق کی اسلامی حمایت وصیانت اوراس کی شہادت وگواہی

☆ اسلام نے عورت کو اپنا خاوند اختیار کرنے کا حق دیا ہے۔عورت اگر ثیبہ بالغہ ہے تو اسے قبول ورد کا حق ہے۔اگر باکرہ ہے تو اس کی اجازت کے بغیر شادی نہیں کی جائے گی۔لہٰذا شادی کے لئے خاتون کی موافقت عقد نکاح کی صحت کی شرطوں میں سے ہے۔اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔يَا أَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُواْ لاَ يَحِلُّ لَكُمْ أَن تَرِثُواْ النِّسَاء كَرْهاً وَلاَ تَعْضُلُوهُنَّ لِتَذْهَبُواْ بِبَعْضِ مَا آتَيْتُمُوهُنَّ إِلاَّ أَن يَأْتِيْنَ بِفَاحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ وَعَاشِرُوهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ فَإِن كَرِهْتُمُوهُنَّ فَعَسَى أَن تَكْرَهُواْ شَيْئاً وَيَجْعَلَ اللّهُ فِيْهِ خَيْراً كَثِيْراً (النساء:١٩)

''اے ایمان والو!تمہیں حلال نہیں کہ زبردستی عورتوں کو ورثے میں لے بیٹھو، انھیں اس لئے نہ روک رکھو کہ جو کچھ تم نے انھیں دے رکھا ہے اس میں سے کچھ لے لو، ہاں یہ اور بات ہے کہ وہ کھلی برائی اور بے حیائی کریں۔ان کے ساتھ اچھے طریقہ سے بودوباش رکھو، گوتم انھیں ناپسند کرو، لیکن بہت ممکن ہے کہ تم کسی کو برا جانو، اور اللہ تعالیٰ اس میں بہت ہی بھلائی کردے۔

صحیح بخاری (۵۱۳۰) اور صحیح مسلم (۱۴۱۹) میں ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ایم کا نکاح اس کے مشورہ سے کیا جائے، اور باکرہ کا نکاح اس کی اجازت سے کیا جائے، لوگوں نے کہا: اس کی اجازت کی صورت کیا ہے۔فرمایا: اس کی خاموشی۔

عورت کو اپنا خاوند اختیار کرنے کا حق ہے۔اس کی تائید صحیح بخاری (۵۱۳۸) میں خنساء بنت خذام انصاریہؓ کی حدیث سے ہوتی ہے کہ ان کے باپ نے ان کی شادی کردی وہ ثیبہ بالغہ تھیں، انھوں نے یہ شادی ناپسند کردی اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی عدالت میں پہنچ گئیں، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا نکاح رد کردیا۔

☆ اسلام نے عورت کے حقوق میں سے اس کے مہر کی حفاظت کی ہے، اس کے لئے مہر کو واجب اور ضروری قرار دیا ہے۔اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

فَمَا اسْتَمْتَعْتُم بِهِ مِنْهُنَّ فَآتُوهُنَّ أُجُورَهُنَّ فَرِيضَةً وَلاَ جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيمَا تَرَاضَيْتُم بِهِ مِن بَعْدِ الْفَرِيضَةِ إِنَّ اللّهَ كَانَ عَلِيماً حَكِيماً (النساء:۲۴) ''جن عورتوں سے تم نے فائدہ اٹھایا ہے۔انھیں ان کا مقرر کیا ہوا مہر دے دو، اور مہر مقرر ہوجانے کے بعد تم آپس کی رضامندی سے جو طے کرلو اس میں تم پر کوئی گناہ نہیں (یعنی آپس کی رضامندی سے مہر میں کمی بیشی کرنے میں) بے شک اللہ تعالیٰ علم والا حکمت والا ہے۔

☆ اسلام نے عورت کے حق کی حفاظت اس طرح کی ہے کہ عورت کو اپنے مال خاص میں خاوند کی اجازت کے بغیر تصرف کرنے کا حق دیا ہے۔اس شرط پر کہ یہ انفاق معروف طریقہ سے اللہ کی اطاعت میں ہو، صحیح بخاری (۲۵۹۲) اور صحیح مسلم (۹۹۹) نے کریب مولی ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ میمونہ بنت حارث رضی اللہ عنہا نے انھیں بتایا، کہ انھوں نے اپنی ایک لونڈی کو آزاد کردیا، نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کی اجازت نہیں لی، چنانچہ جب ان کی باری کا وہ دن آیا، جس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پاس آیا کرتے تھے۔تو انھوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا: یارسول اللہ کیا آپ کو معلوم ہے کہ میں نے اپنی لونڈی کو آزاد کردیا ہے؟ آپؐ نے فرمایا: کیا تم نے ایسا کردیا ہے؟ کہا: جی ہاں، تو آپؐ نے فرمایا: اگر تم اسے اپنے اخوال (مائکہ) کے قرابت داروں کو دے دیتی تو تمہارے لئے عظیم اجر ہوتا۔

☆ اسلام نے عورت کے حق کی حفاظت اس طرح پر بھی کی ہے کہ اس کے ساتھ حسن معاشرت کا حکم دیا ہے۔اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَعَاشِرُوهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ فَإِن كَرِهْتُمُوهُنَّ فَعَسَى أَن تَكْرَهُواْ شَيْئاً وَيَجْعَلَ اللّهُ فِيْهِ خَيْراً كَثِيْراً (النساء:۱۹) ''ان کے ساتھ اچھے طریقہ سے بودوباش رکھو، گوتم انھیں ناپسند کرو، لیکن بہت ممکن ہے کہ تم کسی چیز کو برا جانو اور اللہ تعالیٰ اس میں بہت ہی بھلائی کردے۔

صحیح بخاری (۳۳۳۱) اور صحیح مسلم (۱۴۶۸) میں ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: عورتوں کے حق میں میری وصیت کو اپناؤ۔کیونکہ عورت پسلی سے تخلیق کی گئی ہے۔اور پسلی میں سب سے ٹیڑھا حصہ اس کا اوپری حصہ ہے۔اگر تم اسے سیدھا کرنے کی کوشش کروگے تو وہ ٹوٹ جائے گی۔اور اگر چھوڑ دوگے تو ٹیڑھا ہی رہے گی۔پس عورتوں کے حق میں میری وصیت اور حکم قبول کرو۔

نیز ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مومنوں میں سب سے اچھا اور کامل ایمان اس شخص کا ہے جس کے اندر حسن اخلاق پایا جائے اور ان میں سب سے اچھا اور بہتر وہ ہے جو اپنی خواتین (بیویوں) کے لئے اچھا اور بہتر ہو۔''

امام جصاص رحمہ اللہ اپنی کتاب (احکام القرآن (۱/۴۵۳) میں عنوان:

’’عورت کا حق خاوند پر‘‘ کے ضمن اللہ تعالیٰ کا قول ’’ولھن مثل الذی علیھن بالمعروف، وللرجال علیھن درجة‘‘ کے تحت فرماتے ہیں: کہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں خبر دی ہے کہ زوجین میں سے ہر ایک کا اپنے ساتھی پر حق ہے، البتہ خاوند کا ایک حق عورت پر زائد اور خاص ہے۔ ارشاد باری ہے ’’وللرجال علیھن درجة‘‘ (یعنی مردوں کو عورتوں پر فضیلت ایک درجہ زیادہ ہے۔ وہ اس طرح کہ فطری قوتوں میں، جہاد کی اجازت میں، میراث کے دوگنا ہونے میں، قوامیت اور حاکمیت میں اور اختیار طلاق و رجوع وغیرہ مردوں کے خواص میں سے ہے۔ (وضاحت از مترجم۔ احسن البیان ۹۰)

اس آیت میں ان دونوں کے حقوق ایک دوسرے پر مفصل اور واضح انداز میں بیان نہیں کیا، البتہ دوسرے مقام اور بزبان رسالت اس کی توضیح موجود ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے مردوں پر عورتوں کے جو حقوق بیان فرمائے ہیں وہ یہ ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ’’وعاشروھن بالمعروف ‘‘عورتوں کے ساتھ بہتر طریقے سے بسر کرو، نیز فرمایا: ’’فامساک بمعروف اوتسریح باحسان ‘‘ یعنی دو طلاق کے بعد حسن سلوک کے ساتھ یا تو اپنی بیوی کو روک لو، یا حسن سلوک کے ساتھ تیسری طلاق دے کر رخصت کر دو۔

اور فرمایا: ’’وعلی المولود له رزقھن وکسوتھن بالمعروف‘‘ بچے کے باپ پر ان (عورت) کا کھانا کپڑا دستور کے مطابق ہے۔ (یعنی دودھ پلانے والی ماں کو جبکہ اسے طلاق ہو چکی ہو۔ عام معروف طریقہ کے مطابق کھلانا اور لباس مہیا کرانا بچے کے والد پر فرض ہے، عام حالات میں جبکہ طلاق نہ ہوئی ہو بیوی کا کھانا لباس اور سکن اس کے شوہر پر ویسے فرض ہے۔ (اضافہ برائے توضیح از مترجم۔ حاشیہ تفسیر محمد عبدہ)

نیز اللہ تعالیٰ نے فرمایا: الرِّجَالُ قَوَّامُونَ عَلَى النِّسَاء بِمَا فَضَّلَ اللّهُ بَعْضَهُمْ عَلَى بَعْضٍ وَبِمَا أَنفَقُواْ مِنْ أَمْوَالِهِمْ (النساء:۳۴) ’’مرد عورتوں پر حاکم ہیں اس وجہ سے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو ایک دوسرے پر فضیلت دی ہے اور اس وجہ سے کہ مردوں نے عورتوں پر اپنے مال خرچ کئے۔:

(شریعت نے خانگی شیرازہ بندی کے لئے مرد کو گھر کا قوام، نگراں و ذمہ دار قرار دیا ہے اور عورت کو اس کے ماتحت رکھا ہے۔ قرآن نے اس کی دو وجہ بیان کی ہے۔ ایک یہ کہ مرد کو طبعی طور پر امتیاز حاصل ہے کہ وہ منظّم ہے اور دوسرا یہ کہ گھر کے سارے اخراجات بیوی کے نفقہ سمیت مرد کے ذمہ ہے۔ اس لئے گھر کا نگراں بننے کا حق مرد کو ہے عورت کو نہیں، یہی حال حکومتی امور کا ہے کہ مسلمانوں کا امیر و خلیفہ عورت نہیں ہو سکتی۔ (اضافہ برائے وضاحت از مترجم۔ تفسیر محمد عبدہ ۱۰۱)

آیت میں مذکور مال کا یہ نفقہ مرد پر بیوی کے حقوق میں سے ہے۔

☆ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَآتُواْ النَّسَاء صَدُقَاتِهِنَّ نِحْلَةً (النساء:۴) ’’عورتوں کے مہر خوشی خوشی ادا کر دیا کرو۔‘‘

اللہ تعالیٰ نے مرد پر اس (عورت) کا حق یہ قرار دیا کہ اس کی مہر پورا پورا ادا کرے۔ (شوہر پر بیوی کا مہر ادا کرنا واجب ہے اس پر امت کا اجماع ہے) (اضافہ۔ از مترجم)

☆ اللہ تعالیٰ نے مزید فرمایا: وَإِنْ أَرَدتُّمُ اسْتِبْدَالَ زَوْجٍ مَّكَانَ زَوْجٍ وَآتَيْتُمْ إِحْدَاهُنَّ قِنطَاراً فَلاَ تَأْخُذُواْ مِنْهُ شَيْئاً أَتَأْخُذُونَهُ بُهْتَاناً وَإِثْماً مُّبِيناً (النساء:۲۰) ’’اگر تم ایک بیوی کو چھوڑ کر دوسری بیوی کرنا چاہو، اور ڈھیر سا مال اس کو دے چکے ہو (یعنی پہلی بیوی کو) تو اس میں سے ایک حبہ (کچھ بھی) واپس نہ لو، کیا تم بہتان لگا کر اور صریح گناہ گار بن کر واپس لینا چاہتے ہو۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے مرد پر عورت کا یہ حق قرار دیا کہ وہ جب اس بیوی سے فراق اور جدائی چاہے اور اس سے کچھ نشوز و اختلاف ہو تو اسے دیا ہوا مال واپس نہ لے۔ ’’استبدال‘‘ کا ذکر اسی بات پر دلالت کرتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَلَن تَسْتَطِيعُواْ أَن تَعْدِلُواْ بَيْنَ النِّسَاء وَلَوْ حَرَصْتُمْ فَلاَ تَمِيلُواْ كُلَّ الْمَيْلِ فَتَذَرُوهَا كَالْمُعَلَّقَةِ (النساء:۱۲۹)

’’اور تم کتنا چاہو کہ بیویوں میں پورا انصاف کرو، یہ تو تم سے ہرگز نہ ہو سکے گا، خیر تم اتنا کرو کہ بالکل ایک ہی کی طرف نہ جھک جاؤ کہ دوسری معلق ہو کر رہ جائے گویا اس کا کوئی شوہر نہیں۔‘‘ (یعنی ظاہری حقوق میں عورتوں کے مابین مساوی سلوک کیا جائے، دل کے میلان پر گرفت نہیں) (از مترجم۔ تفسیر محمد عبدہ ص ۱۱۹)

☆ اس آیت میں مرد پر عورت کا حق یہ بھی ہے کہ ایک بیوی کو چھوڑ کر دوسری طرف مکمل مائل نہ ہو جائے، اس کی دلالت و تائید اس بات سے بھی ہوتی ہے کہ اس ایک عورت اور دوسری خواتین کے مابین ’’قسم‘‘ باری متعین کرنا اس کے حقوق میں سے ہے۔ یہیں سے یہ بات بھی واضح ہوتی ہے کہ عورت سے وطی (صحبت) کرنا بھی اس کے حق میں سے ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: فتذروھا کالمعلقة (النساء:۲۹) یعنی خاوند جب وطی (جماع) سے اس کا حق پورا نہیں کرتا تو اس کی حیثیت بلا خاوند کے ہو جاتی ہے۔

☆ اسی طرح عورت کے حق میں سے یہ بھی ہے کہ تنگ کرنے اور ظلم پہنچانے کی خاطر اسے روک کر نہ رکھا جائے۔ جیسا کہ اس کا ذکر سابقہ صفحات میں ہو چکا ہے۔

اور اللہ تعالیٰ کا قول: وَإِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَاء فَبَلَغْنَ أَجَلَهُنَّ فَلاَ تَعْضُلُوهُنَّ أَن يَنكِحْنَ أَزْوَاجَهُنَّ إِذَا تَرَاضَوْاْ بَيْنَهُم بِالْمَعْرُوفِ (البقرہ:۲۳۲) ’’جب تم عورتوں کو طلاق دو پھر ان کی عدت پوری ہو جائے تو ان کو اگلے خاوندوں کے ساتھ نکاح کر لینے سے مت روکو، اگر دستور کے مطابق آپس میں رضامندی ہو جائے۔‘‘

اس آیت کا مخاطب اگر خاوند ہوں تو اس کا مدلول یہ ہوگا کہ عورت کے حق میں سے یہ بھی ہے کہ شوہر اگر اس کی طرف مائل نہیں ہوتا تو ترکِ طلاق سے اسے دوسروں

سے نکاح کرنے سے نہ روکے، یعنی اسے طلاق دیدے تاکہ وہ کسی اور مرد سے شادی کر کے خوشگوار زندگی گذار سکے۔

یہ مذکورہ بالا تمام آیتیں ہیں جو عورتوں کے حقوق کو اجاگر اور ثابت کرتی ہیں جو (مرد) ان کے شوہروں پر عائد ہوتے ہیں۔

☆ **طلاق یا خلع کے ذریعہ ازدواجی زندگی ختم کرنے میں عورت کے حق کی حفاظت اسلام نے کی ہے**: یعنی اسلام نے جس طرح مرد کو اپنی بیوی سے مفارقت اور جدائی کا حق دیا ہے اسی طرح یہ حق عورت کو بھی حاصل ہے۔ چنانچہ عورت اگر اپنی ازدواجی زندگی میں دوام تعنت ومشقت کا شکار رہتی ہے اور تکلیف جھیلتی ہے، نباہ کرنا مشکل ہو تو اسے اپنے خاوند سے خلع کے ذریعہ یا مطالبہ طلاق سے جدائی اختیار کرنے کا حق ہے۔ اللہ کا ارشاد ہے:

فَإِنْ خِفْتُمْ أَلَّا يُقِيمَا حُدُودَ اللَّهِ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا فِيمَا افْتَدَتْ بِهِ تِلْكَ حُدُودُ اللَّهِ فَلَا تَعْتَدُوهَا وَمَن يَتَعَدَّ حُدُودَ اللَّهِ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الظَّالِمُونَ (البقرہ:۲۲۹) ''اگر تم کو یہ ڈر ہو کہ میاں بیوی اللہ کے حکموں اور قاعدوں پر نہیں چل سکیں گے تو اگر عورت اپنا پیچھا چھوڑانے کو کچھ دے تو ان دونوں پر کوئی گناہ نہ ہوگا یہ اللہ کی مقرر کی ہوئی حدیں ہیں ان سے آگے مت بڑھو یعنی ان کی خلاف ورزی نہ کرو، اور جو کوئی اللہ کی حدوں سے تجاوز کرے گا تو ایسے لوگ ہی گنہگار ہیں۔''

نیز اللہ تعالیٰ نے فرمایا: فَإِمْسَاكٌ بِمَعْرُوفٍ أَوْ تَسْرِيحٌ بِإِحْسَانٍ (البقرہ:۲۲۹) ''دو طلاق رجعی کے بعد اچھی طرح سے روک کر رکھو یا پھر اچھی طرح رخصت کردو۔''

صحیح بخاری (۵۲۷۳) میں عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے۔ کہ ثابت بن قیس کی عورت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں، اور عرض کیا: یا رسول اللہ! ثابت بن قیس کے بارے میں انھیں میں نے دینی واخلاقی اعتبار سے کوئی عیب نہیں لگائی، لیکن میں اسلام میں کفر کو ناپسند کرتی ہوں (چونکہ ثابت بن قیس شکل وصورت اور شباہت سے انھیں طبعی طور پر قبول نہیں تھے جس سے انھیں یہ خدشہ تھا کہ وہ حق زوجیت نہ نبھا سکیں گی جو خاوند اور عورت کے مابین شقاق، نشوز اور خصومت کا سبب بن سکتا ہے جو اسلام میں ناپسندیدہ ہے) تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ نے فرمایا: کیا تم ثابت کے باغ کو جو تمہیں مہر میں دیا تھا۔ لوٹا دوگی؟ جواب دیا: جی ہاں، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ثابت سے فرمایا: کہ تم اپنا باغ واپس لے لو۔ اور اسے ایک طلاق دے دو۔''

☆ اسلام نے عورت کے حق پر یوں بھی توجہ دی ہے اور اس کی حفاظت کی ہے کہ اگر وہ مطلقہ ہو جائے تو اسے متعۂ طلاق دے دیا جائے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَلِلْمُطَلَّقَاتِ مَتَاعٌ بِالْمَعْرُوفِ حَقًّا عَلَى الْمُتَّقِينَ (البقرہ:۲۴۱) ''طلاق والیوں کو معروف (رواج) کے مطابق تحفہ دینا پرہیزگاروں پر لازم ہے۔

(یہ حکم عام ہے جو ہر مطلقہ عورت کو شامل ہے اس میں تفریق وجدائی کے وقت جس حسن سلوک اور تطییب قلب کا اہتمام کرنے کی تاکید کی گئی ہے۔ اس کے بے شمار معاشرتی فوائد ہیں) (وضاحت از مترجم۔ احسن البیان ۹۸)

☆ اسلام نے حاملہ خواتین کے حق کی بھی حفاظت کی ہے کہ حمل کی صورت میں ان کا نفقہ ان کے شوہروں پر ہے۔ اور یہ حق عورت اور اس کے حمل کے مابین مشترک ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَإِن كُنَّ أُولَاتِ حَمْلٍ فَأَنفِقُوا عَلَيْهِنَّ حَتَّىٰ يَضَعْنَ حَمْلَهُنَّ (الطلاق:۹) اگر وہ مطلقہ خواتین حمل (پیٹ) والی ہوں تو وضع حمل تک ان کو خرچ دو۔

☆ اسلام نے دودھ پلانے والی خواتین کے حق کی حفاظت کی ہے ان کے لئے حق ارضاع (رضاعت کا حق) مقرر کیا ہے۔ یہ حق دودھ پلانے والی ماؤں اور دایہ کے مابین مشترک ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: فَإِنْ أَرْضَعْنَ لَكُمْ فَآتُوهُنَّ أُجُورَهُنَّ وَأْتَمِرُوا بَيْنَكُم بِمَعْرُوفٍ (الطلاق:۶)

''اگر وہ مطلقہ خواتین تمہاری اولاد کو دودھ پلائیں تو ان کی دودھ پلائی کا حق ادا کرو، اور معروف (دستور) کے مطابق یہ حق خاوند اور بیوی کی حیثیت کے موافق مقرر کرو، اور باہم مناسب طور پر مشورہ کر لیا کرو۔''

☆ اسلام نے نفقہ وسکنیٰ کی بابت عورت کے حق کو محفوظ کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: لِيُنفِقْ ذُو سَعَةٍ مِّن سَعَتِهِ وَمَن قُدِرَ عَلَيْهِ رِزْقُهُ فَلْيُنفِقْ مِمَّا آتَاهُ اللَّهُ لَا يُكَلِّفُ اللَّهُ نَفْسًا إِلَّا مَا آتَاهَا سَيَجْعَلُ اللَّهُ بَعْدَ عُسْرٍ يُسْرًا (الطلاق:۷) ''کشادگی والے کو اپنی کشادگی وفراخی سے خرچ کرنا چاہیے، اور جس پر اس کے رزق کی تنگی کی گئی ہو اسے چاہیے کہ جو کچھ اللہ تعالیٰ نے اسے دے رکھا ہے اسی میں سے (اپنی حیثیت کے مطابق) دے۔ کسی بھی شخص کو اللہ تعالیٰ خارج از طاقت کا مکلّف نہیں بناتا، مگر اتنی ہی جتنی طاقت اسے دے رکھی ہے۔ اللہ تعالیٰ تنگی کے بعد آسانی وفراغت بھی کر دے گا۔''

نیز فرمایا: أَسْكِنُوهُنَّ مِنْ حَيْثُ سَكَنتُم مِّن وُجْدِكُمْ وَلَا تُضَارُّوهُنَّ لِتُضَيِّقُوا عَلَيْهِنَّ (الطلاق:۶) ''اپنی طاقت کے مطابق جہاں تم رہتے ہو وہاں ان (طلاق والی) عورتوں کو رکھو، اور انھیں تنگ کرنے کے لئے تکلیف نہ پہنچاؤ۔''

صحیح بخاری (۳۳۶۴) میں عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ ہند بنت عتبہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے فہمائش کی اور عرض کیا: یا رسول اللہ! ابوسفیان بخیل آدمی ہیں، وہ مجھے اتنا خرچ نہیں دیتے جو میرے اور میرے بچے کے لئے کافی ہو، الا یہ کہ ان کے علم میں لائے بغیر میں ان کے مال میں سے کچھ لے لوں، تو آپ نے

فرمایا: تم ضرورت کے مطابق معروف (دستور) کے موافق اتنا مال لے لو جو تمہارے اور تمہارے بچے کے لئے کافی ہو۔

اور مسلم (۱۲۱۸) میں جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تمہارے اوپر تمہاری بیویوں کا کھانا پینا اور ان کا لباس معروف کے مطابق فرض وواجب ہے۔

☆ اسلام نے عورت سے عقد نکاح کے بعد اور دخول سے قبل (وطی ومباشرت سے پہلے) طلاق کی حالت میں عدم عدت کے باوجود اس کے حق کی حفاظت کی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا نَكَحْتُمُ الْمُؤْمِنَاتِ ثُمَّ طَلَّقْتُمُوهُنَّ مِن قَبْلِ أَن تَمَسُّوهُنَّ فَمَا لَكُمْ عَلَيْهِنَّ مِنْ عِدَّةٍ تَعْتَدُّونَهَا فَمَتِّعُوهُنَّ وَسَرِّحُوهُنَّ سَرَاحاً جَمِيلاً (الاحزاب:۴۹) ''اے مسلمانو! جب تم مسلمان عورتوں سے نکاح کرو پھر صحبت سے پہلے ان کو طلاق دے دو تو تمہاری کوئی عدت ان کو کرنا ضروری نہیں جس کا تم شمار کرو، بلکہ ان کو کچھ دیدو، اور اچھی طرح انھیں رخصت کردو۔'' (یعنی اگر مہر کا تعیین نہ ہوا ہو تو اپنی مالی حیثیت کے مطابق کچھ دے کر اسے بہتر طریقہ سے رخصت کرو، اور اگر مہر متعین ہو چکا ہے تو قبل از مسیس طلاق کی صورت میں نصف مہر دینا لازم ہوگا۔) (افادہ از تفسیر محمد عبدہ ص ۵۰۸۔ از مترجم)

☆ اسلام نے بیوہ خاتون (ارملہ، رانڈ عورت، جس کا شوہر نہ ہو، وفات پا چکا ہو) کے حق پر بھی توجہ دی ہے اور اس کے خاوند کے ترکہ کے مال میں اس کا حق مقرر ومتعین کیا ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَلَهُنَّ الرُّبُعُ مِمَّا تَرَكْتُمْ إِن لَّمْ يَكُن لَّكُمْ وَلَدٌ فَإِن كَانَ لَكُمْ وَلَدٌ فَلَهُنَّ الثُّمُنُ مِمَّا تَرَكْتُم مِّن بَعْدِ وَصِيَّةٍ تُوصُونَ بِهَا أَوْ دَيْنٍ (النساء:۱۲) ''تم جو مال ومتاع چھوڑ جاؤ اس میں چوتھائی حصہ تمہاری بیویوں کا ہے اگر تم کو اولاد نہ ہوں، اور اگر تمہارے اولاد ہوں تو تمہارے ترکہ میں سے ان کو آٹھواں حصہ ملے گا۔ مگر پہلے وہ وصیت پوری کی جائے اور قرض ادا کیا جائے۔'' (یعنی بیوی ایک ہو یا زیادہ سب چوتھائی یا آٹھویں حصہ میں شریک ہوں گی۔ اس پر علماء کا اجماع ہے۔ تفسیر محمد عبدہ ص ۹۴۔ از مترجم)

☆ بلکہ اسلام نے تو عموماً خواہ عورت بڑی ہو یا چھوٹی، میراث میں اس کے حق کی رعایت کی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: فَإِن كُنَّ نِسَاءً فَوْقَ اثْنَتَيْنِ فَلَهُنَّ ثُلُثَا مَا تَرَكَ وَإِن كَانَتْ وَاحِدَةً فَلَهَا النِّصْفُ (النساء:۱۱) ''اگر دو سے زیادہ صرف بیٹیاں ہوں، بیٹا کوئی نہ ہو، تو ترکہ میں سے دو تہائی حصہ ان کو ملے گا۔ اور اگر ایک ہی بیٹی ہو، اس کے ساتھ بیٹا نہ ہو تو آدھا ترکہ اس بیٹی کو ملے گا۔

☆ اسلام نے عورت کے حق کی یوں بھی حفاظت کی ہے۔ کہ اگر اس مومنہ عورت پر فحاشی کی تہمت لگائی گئی ہو اور اس تہمت پر کوئی گواہ نہ ہو، تو تہمت لگانے والے پر کوڑوں کی سزا مقرر کی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَالَّذِينَ يَرْمُونَ الْمُحْصَنَاتِ ثُمَّ لَمْ يَأْتُوا بِأَرْبَعَةِ شُهَدَاءَ فَاجْلِدُوهُمْ ثَمَانِينَ جَلْدَةً وَلَا تَقْبَلُوا لَهُمْ شَهَادَةً أَبَداً وَأُولَئِكَ هُمُ الْفَاسِقُونَ (النور:۴) ''جو لوگ مسلمان آزاد پاک دامن عورتوں پر زنا کی تہمت لگائیں، پھر چار گواہ (ایسے جنھوں نے اپنی آنکھ سے زنا کرتے دیکھا ہو) نہ لاسکیں تو ان کو (تہمت کی سزا) اسی کوڑے لگاؤ، اور پھر ساری عمر ان کی گواہی (کسی مقدمہ میں) مت مانو، ایسے لوگ خود بدکار ہیں۔

☆ اسلام نے احترام رائے اور مشورہ میں بھی عورت کے حق کی رعایت وحفاظت کی ہے۔ بالخصوص جبکہ وہ حاذق وحازم اور دور اندیش ہو، صحیح بخاری (۲۷۳۱) میں مسور بن مخرمہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صلح حدیبیہ کے موقع پر جب سہیل بن عمرو کے ساتھ صلح نامہ تحریر کرا کے فارغ ہوئے تو اپنے اصحاب سے فرمایا: اٹھو اور اپنے اونٹوں کا نحر کرو اور اپنے سر کے بالوں کا حلق کراؤ، مسور فرماتے ہیں: اللہ کی قسم! ان میں سے کوئی شخص نہ اٹھا یہاں تک کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تین بار یہ ہدایت فرمائی، جب ان میں سے کوئی نہ اٹھا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے پاس تشریف لائے اور ان سے لوگوں کی یہ کیفیت اور احوال بیان فرمائی، تو ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا کہ اے اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اگر آپ ایسا کرنا چاہتے ہیں تو آپ خاموشی سے اٹھیں کسی سے گفتگو یا کوئی بات نہ کریں، اور اپنے اونٹ کا نحر فرمائیں، سرمونڈنے والے کو بلائیں، وہ آپ کے سر کے بالوں کا حلق کرے، چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اٹھے۔ موجود صحابہ میں سے کسی سے کوئی بات نہ کی اور اپنا اونٹ نحر فرمایا، سرمونڈنے والے کو بلا کر حلق کرایا، جب لوگوں نے آپ کے عمل کا منظر دیکھا تو سب اٹھ کھڑے ہو گئے اور اپنے اپنے اونٹوں کا نحر کیا، اور بعض نے بعض کے سر کے بالوں کا حلق کیا، غم وملال اور حزن کا یہ عالم تھا کہ قریب تھا کہ ایک دوسرے کو قتل کر بیٹھیں گے۔

☆ اسلام نے عورت کو مدد کرنے پناہ دینے، شفاعت اور شفارش کرنے کا حق بھی دیا ہے۔ صحیح بخاری (۳۱۷۱) اور صحیح مسلم (۳۳۳۶) میں ام ہانی بنت ابی طالب رضی اللہ عنہا سے مروی ہے۔ فرماتی ہیں کہ فتح مکہ کے موقعہ پر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی، اس وقت آپ غسل فرما رہے تھے آپ کی لخت جگر بیٹی فاطمہ آپ کے لئے پردہ کئے ہوئے تھیں، میں نے سلام عرض کیا، آپؐ نے پوچھا کون ہیں یہ؟ میں نے عرض کیا: میں ام ہانی بنت ابی طالب ہوں، آپ نے فرمایا: مرحباً ام ہانی، خوش آمدید، ام ہانی، جب آپ غسل سے فارغ ہوئے تو آپ نے اپنے جسم پر ایک لمبا کپڑا لپیٹا اور آٹھ رکعت صلاۃ ادا فرمائی، میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ میں نے فلاں ابن ہبیرہ کو پناہ دے رکھی ہے اور میرا حقیقی بھائی علی بن ابی طالب اس کے قتل کا خواہاں ہے۔ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے ام ہانی، جسے تم نے

پناہ دیدی ہم نے بھی اسے پناہ دیدیا ہے۔ام ہانی فرماتی ہیں: وہ وقت چاشت کا وقت تھا۔

عورت کی شہادت اور گواہی: اللہ تعالیٰ نے آیت مداینہ (جس میں باہمی لین دین، قرض وادھار جیسے معاملات کے احکام بیان ہوئے ہیں) میں تحریر وشہادت کے ذریعہ اثبات معاملات اور توثیق حقوق کے اصول وضوابط مشروع قرار دیا ہے۔اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔وَاسْتَشْهِدُوا شَهِيدَيْنِ مِن رِّجَالِكُمْ فَإِن لَّمْ يَكُونَا رَجُلَيْنِ فَرَجُلٌ وَامْرَأَتَانِ مِمَّن تَرْضَوْنَ مِنَ الشُّهَدَاءِ أَن تَضِلَّ إِحْدَاهُمَا فَتُذَكِّرَ إِحْدَاهُمَا الْأُخْرَى (البقرہ:۲۸۲)''اپنے لوگوں (مسلمانوں) میں سے جن کو تم پسند کرو (دین داری اور عدالت پر مطمئن ہو) دو مردوں کو گواہ بنالو، اور اگر دو مرد گواہ نہ ہوسکیں تو ایک مرد اور دو عورتیں مقرر کرلو، تاکہ اگر ایک عورت بھول جائے تو دوسری اس کو یاد دلادے۔''

(ایک مرد کے مقابلے میں دو عورتوں کو مقرر کرنے کی علت وحکمت یہ ہے کہ عورت عقل اور یادداشت میں مرد سے کمزور ہے، اس میں عورت کے استخفاف اور فروتری کا اظہار نہیں، بلکہ ایک فطری کمزوری کا بیان ہے جو اللہ تعالیٰ کی حکمت ومشیت پر مبنی ہے) (توضیح۔ازمترجم: احسن البیان ص ۱۱۹)

یہ بات مخفی نہیں ہے کہ آیت میں گفتگو اور تذکرہ توثیق حقوق کے سلسلے میں ہے تاکہ وہ حق ضائع نہ ہوسکے۔اسی طرح یہ بات بھی متفق علیہ ہے کہ تنہا عورت کی شہادت وگواہی اس کے اپنے مخصوص امور میں ہی مقبول ہوگی، جیسے رضاعت، بکارت، حیض ونفاس، ولادت وغیرہ جیسے امور جس کی معرفت اور اختصاص عورتوں کو ہی ہوتا ہے۔ بلکہ ایسے امور میں خواتین کی شہادت مرد کی شہادت کے مقابل زیادہ حق ودرست شمار کی جائے گی۔مصنف عبدالرزاق (۱۳۹۷۱) میں ابن عباس رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ رضاعت کے سلسلے میں ایک خاتون کی شہادت جائز ودرست ہے۔جبکہ وہ معتبر (مرضیہ) ہو، اس کی شہادت کے ساتھ اس سے حلف لیا جائے گا۔

امام شعبیؒ (۱۳۹۷۸) اور حسن بصریؒ (۱۵۴۲۳) سے مروی ومنقول ہے کہ ایک عورت کی شہادت ایسے امور میں جائز ودرست ہے جس سے مرد مطلع اور واقف نہیں ہوتے اور (۱۳۹۸۵) میں ابوزناد اور یحیٰ بن ربیعہ سے منقول ہے کہ ایک عورت کی شہادت وگواہی جب وہ معتبر اور قابل اعتبار ہو، اس کی بات قبل از نکاح اس سے سنی گئی ہو تو رضاعت اور ولادت کی بابت تنہا اس کی بات جائز ودرست ہوگی۔

ابن ابی شیبہ نے (۲۰۷۱۱) میں عامر الشعبی سے روایت کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ شہادات میں سے کچھ گواہیاں ایسی ہوتی ہیں جس میں عورتوں کی شہادت ہی جائز ودرست ہوتی ہے۔

عبدالرزاق نے اپنی المصنف (۱۵۴۲۷) میں روایت کیا ہے۔ ابن شہاب زہریؒ فرماتے ہیں کہ سنت یہی ہے کہ عورتوں کی شہادت جبکہ ان کے ساتھ مرد نہیں ہوتے ان امور میں جائز ہے جو عورت کی ولادت اور استہلال جنین (بچے کی پیدائش) وغیرہ جیسے امور جن کا تعلق عورتوں سے ہے اور جس سے عورتیں ہی واقف ہوتی ہیں۔ اگر مسلم خاتون جو عورتوں کے پاس آتی رہتی ہے تو ایک سے زائد عورت کی شہادت استہلال جنین کی بابت جائز ہوگی۔

اسحاق بن منصور کوسج مسائل امام احمد واسحاق بن راہویہ (۴۱۲۰/۸) میں فرماتے ہیں: کہ میں نے سوال کیا کہ استہلال جنین (بچے کی پیدائش) حیض، عدت، سقط اور حمام کی بابت ایک خاتون کی شہادت جائز ومعتبر ہے؟ تو امام احمد نے فرمایا: ہر وہ امور اور معاملات جن سے خواتین ہی واقف ہوتی ہیں اس میں ایک خاتون کی شہادت جائز ودرست ہے جبکہ وہ ثقہ اور معتبر ہو۔البتہ اسحاق بن راہویہ کا کہنا ہے کہ دو عورتوں کی شہادت لازم ہے۔

اسی طرح قرآن کریم مرد وعورت کے مابین مساوات شہادت پر نص ہے۔جبکہ مرد اپنی بیوی کو کسی بدکاری سے متہم کرے تو ان دونوں میں سے ہر ایک چار چار مرتبہ اس کی شہادت دیں گے۔جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَالَّذِينَ يَرْمُونَ أَزْوَاجَهُمْ وَلَمْ يَكُن لَّهُمْ شُهَدَاءُ إِلَّا أَنفُسُهُمْ فَشَهَادَةُ أَحَدِهِمْ أَرْبَعُ شَهَادَاتٍ بِاللَّهِ إِنَّهُ لَمِنَ الصَّادِقِينَ وَالْخَامِسَةُ أَنَّ لَعْنَتَ اللَّهِ عَلَيْهِ إِن كَانَ مِنَ الْكَاذِبِينَ وَيَدْرَأُ عَنْهَا الْعَذَابَ أَن تَشْهَدَ أَرْبَعَ شَهَادَاتٍ بِاللَّهِ إِنَّهُ لَمِنَ الْكَاذِبِينَ وَالْخَامِسَةَ أَنَّ غَضَبَ اللَّهِ عَلَيْهَا إِن كَانَ مِنَ الصَّادِقِينَ (النور:۶-۹)''اور جو لوگ اپنی بیویوں پر زنا کی تہمت لگائیں اور ان کے پاس خود اپنی ذات کے علاوہ کوئی دوسرا گواہ نہ ہو تو ان میں سے ایک ایک کی گواہی یوں ہے کہ اللہ تعالیٰ کی قسم کھا کر چار بار گواہی دے کہ وہ اپنے بیان میں سچا ہے اور پانچویں بار یوں کہے کہ اللہ تعالیٰ کی لعنت وپھٹکار اس پر ہو اگر وہ جھوٹا ہے۔اور عورت سے سزا (یعنی زنا کی حد) اس طرح دور ہوسکتی ہے کہ وہ چار بار اللہ تعالیٰ کی قسم کھا کر گواہی دے کہ وہ (یعنی اس کا خاوند) جھوٹا ہے اور پانچویں بار کہے کہ اس پر اللہ تعالیٰ کا غضب اترے اگر وہ (یعنی اس کا خاوند) سچا ہو۔(اور میں نے واقعی زنا کیا ہو) (ترجمہ نواب وحیدالزماں ص ۴۱۹)

(ایسی صورت میں عورت زنا کی سزا سے بچ جائے گی۔اس کے بعد ان دونوں کے درمیان ہمیشہ کے لئے جدائی ہوجائے گی۔اسے ''لعان'' کہا جاتا ہے۔اس لئے کہ اس میں دونوں ہی اپنے آپ کو جھوٹا ہونے کی صورت میں مستحق لعنت قرار دیتے ہیں۔

ایسی صورت میں حمل (پیٹ کا بچہ) ماں کی طرف منسوب ہوگا اور عورت کا زمانہ عدت کے نفقہ وسکنی کا کوئی حق مرد پر نہ ہوگا۔کیونکہ یہ طلاق یا وفات کے بغیر جدا کی جارہی ہے ہلال بن امیہ اور ان کی بیوی کے مابین نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا ہی فیصلہ کیا تھا۔(متفق علیہ حدیث ہے) (افادات از احسن البیان وتفسیر محمد عبدہ۔ازمترجم)

☆☆☆

ڈاکٹر عبدالصبور ابوبکر
استاذ حدیث، جامعہ سلفیہ، بنارس

علامہ محمد رئیس ندوی رحمہ اللہ کی افتاء نویسی: منہج اور طریقۂ کار

علامہ محمد رئیس بن سخاوت علی بن محمد باقر ندوی (193ء-2009ء) رحمہ اللہ نے اپنی زندگی درس وتدریس اور بحث وتحقیق کے لیے وقف کردی تھی۔ 1960ء میں ندوۃ العلماء (لکھنؤ) سے فراغت کے بعد سب سے پہلے اپنے آبائی وطن موضع بھٹیا (سدھارتھ نگر) سے قریب مدرسہ عالیہ عربیہ (بستی) شاخ ندوۃ العلماء، پھر مادر علمی ندوۃ العلماء (لکھنؤ)، پھر جامعہ سراج العلوم (جھنڈا نگر، نیپال)، پھر مدرسہ دار الہدی (بنگال)، پھر مدرسہ احمدیہ سلفیہ (دربھنگہ، بہار) میں تدریسی خدمات انجام دیں اور تشنگان علوم نبوت کو سیراب کیا۔ 1963ء میں جامعہ سلفیہ (مرکزی دار العلوم)، بنارس کی تاسیس کے بعد قاری عبدالحق بانسوی (م1975ء) اور شیخ الحدیث عبیداللہ رحمانی (م1994ء) رحمہما اللہ کے مشورے اور تحریک پر 1969ء میں جامعہ سلفیہ جیسی عظیم درس گاہ میں قدم رنجہ ہوئے اور وہاں کی تدریسی ذمے داری سنبھال کر اسے وقار بخشا پھر تادمِ وفات اسی جامعہ سے وابستہ رہے اور طلبا، علما اور اساتذہ کو فیض پہنچاتے رہے۔

بحث وتحقیق، حدیث اور علوم حدیث سے آپ کو خصوصی لگاؤ تھا، کتب احادیث بڑی دلچسپی سے پڑھاتے تھے، آپ جامعہ سلفیہ کے شیخ الحدیث بھی رہے ہیں۔ علمِ حدیث اور فنِ جرح وتعدیل پر آپ کی نظر نہایت گہری تھی، بلکہ فنِ رجال کے آپ اپنے دور کے امام تھے۔ آپ کے اندر مسلکِ کے لیے بے پناہ غیرت تھی، جس پر آپ کی شاہکار تصانیف شاہد عدل ہیں اور منہج سلف کا دفاع آپ کی زندگی کا سب سے قیمتی سرمایہ تھا۔

علامہ محمد رئیس ندوی رحمہ اللہ نہایت سادہ طبیعت، نیک طینت اور عبقری شخصیت کے مالک تھے، صبح وشام کے ذکر واذکار کا خصوصی اہتمام فرماتے تھے، کبھی کبھی دیر تک ذکر واذکار میں مشغول رہتے۔

موصوف ایک گوہر نایاب، طباع، ذہین، فقیہ اور جید عالم دین تھے، حافظہ بڑا مضبوط تھا، کتابوں سے والہانہ محبت تھی، مطالعہ نہایت گہرا اور وسیع تھا، ہر وقت مطالعہ اور بحث وتحقیق میں مشغول رہتے، آپ کو دیکھ کر "خیر جلیس في الزّمان کتاب" کا صحیح مفہوم سمجھ میں آتا تھا۔ شوق مطالعہ، علمی انہماک، کتب بینی اور تحقیق وجستجو کا یہ عالم تھا کہ بعض دفعہ پوری رات مطالعہ اور بحث وتحقیق میں گزار دیتے، باوثوق ذریعہ سے خبر دی ہے کہ ایک مرتبہ آپ عشا کی نماز کے بعد کسی مسئلے کی بحث وتحقیق میں لگ گئے اور اس میں اس قدر منہمک ہوگئے کہ کب فجر کی اذان ہوئی اور نماز ختم ہوگئی، آپ کو پتہ ہی نہ چلا یہاں تک کہ آپ کی شریکِ حیات نے ٹوکتے ہوئے کہا کہ اس قدر کتابوں میں گم ہیں کہ آپ نے نماز بھی ادا نہ کی! پہلے نماز تو پڑھ لیں! موصوف نے جواب دیا کہ ابھی تو میں نے نماز پڑھی ہے، انہوں نے عرض کیا کہ عشا کی نہیں فجر کی نماز کے لیے کہہ رہی ہوں۔

علامہ محمد رئیس ندوی علیہ الرحمہ نے جامعہ سلفیہ میں تصنیفی وتدریسی خدمات کے علاوہ اور بھی کئی علمی، تربیتی اور ادارتی ذمے داریاں سنبھالی تھیں، انھیں میں سے ایک اہم ذمے داری افتا نویسی تھی، ابتدا میں آپ شعبۂ افتا میں فتوی کمیٹی کے ایک فعال رکن تھے، رکن کی حیثیت سے آپ نے چند سالوں تک خدمات انجام دیں، بعض دیگر مفتیان جامعہ کے ساتھ آپ بھی فتوی نویسی کا کام کرتے رہے۔ جامعہ سلفیہ کے ریکارڈ کے مطابق آپ کا سب سے پہلا فتوی 29/ مارچ 1984ء کو صادر ہوا، بعد میں آپ کو دار الافتا کا نگراں اور مفتی جامعہ سلفیہ بنا دیا گیا، پھر عمر کے آخری پڑاو تک آپ تدریس کے ساتھ ساتھ افتا کی ذمہ داری بھی نبھاتے رہے، جس کا دورانیہ کم وبیش (25) سال ہے، اس دوران آپ کی نوک قلم سے اور آپ کے زیر اشراف ہزاروں فتاوی صادر ہوئے، جو جامعہ سلفیہ کے ریکارڈ میں محفوظ ہیں۔ اس سے قبل آپ نے جامعہ سراج العلوم، جھنڈا نگر میں بھی دورانِ تدریس دیگر علمی مشاغل کے ساتھ فتوی نویسی کی خدمت انجام دی تھی۔

ادب اسلامی میں فتوی نویسی کی تاریخ نہایت قدیم ہے۔ اسلام کے عہدِ اول سے لے کر آج تک کوئی بھی ایسا زمانہ نہیں گزرا، جس میں فتوی نویسی کا سلسلہ جاری نہ رہا ہو، علامہ ابن القیم (م751ھ) رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"افتا کے منصب پر جنھیں سب سے پہلے فائز ہونے کا شرف حاصل ہے، وہ خود سید المرسلین، امام المتقین، خاتم النبیین محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی ہے" (إعلام الموقعين 1/ 17-18)۔

فتوی نویسی ایک نہایت عظیم المرتبت اور ذمہ دارانہ عمل ہے، اس میں دیانتداری، پختہ علم، قوی سمجھ بوجھ کی ضرورت ہوتی ہے، ایک درست فتوی عوام کو صحیح دینی رہنمائی فراہم کرتا ہے اور معاشرتی مسائل کو اسلامی اصولوں کے مطابق حل کرتا ہے، نیز فقہی اور باہمی تنازعات دور کرنے میں فتوی کا بڑا اہم کردار ہوتا ہے۔

جامعہ سلفیہ جیسے عظیم دانش کدہ میں جہاں اساطینِ علم وفن اور حاملینِ کتاب وسنت کی بڑی تعداد موجود ہو ان کے مابین فتوی نویسی کے لیے علامہ ندوی رحمہ اللہ کا منتخب ہونا، آپ کی علمی شخصیت اور فقہی بصیرت کو اجاگر کرنے کے لیے کافی ہے، آپ

نے مختلف علمی وفقہی مسائل پر فتاوی دیے، زیرِ نظر مقالہ میں آپ کے فتاوی سے متعلق چند باتیں حوالۂ قرطاس کی جارہی ہیں:

علامہ محمد رئیس ندوی رحمہ اللہ کے فتاوی کی اقسام اوران کی تعداد: آپ کے وہ فتاوی جو جامعہ سلفیہ کے ریکارڈ میں محفوظ ہیں ان کی تعداد بہت زیادہ ہے، جو بڑے سائز کے 17 رجسٹروں (11 تا 27) میں قلمی نسخوں کی شکل میں مرقوم ہیں (ان رجسٹروں میں کچھ فتاوے دیگر مفتیان کے بھی ہیں)، آپ کے مجموعہ ہائے فتاوی کو اگر کتابی شکل دی جائے جو کہ وقت کی اہم ترین ضرورت ہے، تو کئی ضخیم جلدیں تیار ہوجائیں گی، آپ کے فتاوی کو تین قسموں میں بانٹا جاسکتا ہے:

پہلی قسم: وہ فتاوے جنھیں آپ نے خود اپنے ہاتھوں سے تحریر کیا ہے اور آپ ہی کی نوشت میں مستفتیان کو بھیجا گیا، آپ کے مجموعی فتاوی میں اس قسم کے فتاوی کی تعداد نسبتًا کم ہے، ان کی تعداد (100) کے قریب ہے جس کا دورانیہ 1984ء سے 1994ء ہے۔ جامعہ کے ریکارڈ کو دیکھ کر معلوم ہوتا ہے کہ اس اثنا میں آپ کے ساتھ دیگر مفتیان کرام بھی فتوی دیتے تھے۔ آپ کا تحریر کردہ آخری فتوی بتاریخ 27/ جون 1994ء صادر ہوا تھا، جو طلاق سے متعلق تھا۔

دوسری قسم: وہ استفتاءات جن کے جواب آپ کی ہدایت اور رہنمائی کے مطابق آپ کے معاونین تحریر کرتے اور آپ بطور نگراں دارالافتا اور مفتی جامعہ سلفیہ ان تحریر کردہ فتاوی پر نظر ثانی فرماتے، حسب ضرورت ان کی نوک پلک درست کرتے، غیر ضروری باتوں کو حذف کرتے، یا بعض دلائل کا اضافہ کرتے اور پھر ''الجواب صحیح'' لکھ کر اس کی توثیق کرتے اور تصدیقی دستخط ثبت فرماتے تھے۔ جامعہ سلفیہ کے ریکارڈ کے مطابق سب سے پہلا فتوی جس پر آپ نے ''الجواب صحیح'' لکھ کر تصدیقی دستخط ثبت فرمائی ہے، وہ مولانا عابد حسن رحمانی (م 2009ء) رحمہ اللہ کی جانب سے 18/ جولائی 1988ء کو تحریر کیا گیا تھا۔ آپ کے مجموعہ ہائے فتاوی میں یہ نوعیت غالب ہے۔ اس قسم کے فتاوی کی تعداد تقریباً (2260) ہے۔

تیسری قسم: آپ کے وہ فتاوے جنھیں آپ نے مستفتیان کو زبانی طور پر دیا ہے، اس قسم کے فتاوی کی تعداد بھی بہت زیادہ ہے، مگر چونکہ یہ شفوی فتاوی تھے، اس لیے ان کا کوئی ریکارڈ جامعہ میں محفوظ نہیں ہے۔

معاونین اساتذۂ کرام وطلبۂ عزیز: جن معاونین اساتذۂ کرام اور جامعہ سلفیہ میں زیر تعلیم تخصص اور فضیلت سال اخیر کے طلبہ کے تیار کردہ جوابات پر آپ نے ''الجواب صحیح'' لکھ کر تصدیق فرمائی ہے، ان کی تعداد تقریبا (۲۷) ہے، جن کے اسمایہ ہیں:

اساتذہ کرام میں سے: مولانا صفی الرحمٰن مبارکپوری (م 2006ء)، مولانا عابد حسن رحمانی (م 2009ء)، مولانا محمد حنیف فیضی مدنی (م 2012ء)، مولانا نعیم الدین سلفی مدنی (م 2021ء) رحمہم اللہ، مولانا جمیل احمد سلفی، مولانا احمد مجتبی سلفی مدنی، مولانا عبدالسلام ابو ہریرہ سلفی اور مولانا نور الہدی سلفی۔

متعلمین جامعہ سلفیہ میں سے: عزیر احمد محفوظ عالم، نور الہدی، وصی اللہ عبدالحکیم، محمد اسلم محمد منور، محمد ہارون فیض الدین، رحمت اللہ، نصیر الدین محمد حسین، ریاض احمد محمد سعید، نثار احمد عبدالرحمٰن، بدر الزمان حفیظ اللہ، کرم اللہ احمد حسین چمپارنی، اکرام الحق، نذیر احمد محفوظ عالم، محمد صدر عالم عبدالسبحان دربھنگوی، عبداللہ بن عبدالرؤف، عبدالتواب، محمود فتح اللہ دریا آبادی، آصف اقبال اور رضاء الحسن۔

فتاوی کے اہم مضامین: مولانا محمد رئیس ندوی رحمہ اللہ نے شریعت کے اکثر احکام ومسائل سے متعلق فتاوی دیے ہیں، چاہے ان کا تعلق عقائد سے ہو یا عبادات سے، یا معاملات سے، کچھ مسائل سے ایسے بھی ہیں جن کے متعلق حسب استفتاءات کئی کئی فتاوی موجود ہیں، خاص طور سے نکاح اور طلاق کے مسائل، کیونکہ ان مسائل پر آپ کا مطالعہ بہت وسیع اور معلومات بہت عمیق تھیں، طلاق کے مسئلہ پر آپ کی ''تنویر الآفاق فی مسئلۃ الطلاق'' نامی ایک مستقل اور عظیم تالیف بھی ہے۔

آپ کے فتاوی کے اہم مضامین یہ ہیں: توحید، مروجہ شرک و بدعات، قرآنی خوانی، اجتماعی اعتکاف، ایصالِ ثواب، تعویذ گنڈا، جھاڑ پھونک، غیر شرعی وسیلہ، غیر شرعی رسم ورواج، طہارت، وضو، خطبہ جمعہ، اذان، نماز میں سورۂ فاتحہ، سورۂ فاتحہ کے بعد قرأت، مغرب کی اذان کے بعد دو رکعت نفل، غائبانہ نمازِ جنازہ، صدقۂ فطر اور عیدین کے مسائل، قربانی کے مسائل، ایام تشریق میں قربانی، قربانی کے جانور کی شرائط، عقیقہ کے مسائل، میراث کے مسائل، نکاح، طلاق، خلع اور زنا کے مسائل، قرض وسود کے مسائل اور وقف کے مسائل وغیرہ وغیرہ۔

علامہ محمد رئیس ندوی رحمہ اللہ کے فتاوی کے نمایاں امتیازات وخصوصیات: علامہ ندوی رحمہ اللہ کے فتاوی کا جب ہم جائزہ لیتے ہیں، تو اندازہ ہوتا ہے کہ آپ فتو ی نویسی کے وقت براہِ راست کتاب وسنت کی طرف رجوع کرتے ہیں، سلف صالحین کے فہم کو پیش نظر رکھتے ہیں، بلاتفریق تمام ائمۂ دین کے اقوال سے استفادہ کرتے ہیں اور دلائل کی روشنی میں جو قول راجح ہوتا ہے اس کے مطابق فتوی دیتے ہیں، یہ اور اس جیسے دیگر اوصاف حمیدہ سے آپ کے فتاوی مزین ہوتے ہیں، جن میں سے بعض امتیازات وخصوصیات کا اختصار کے ساتھ یہاں کیا جارہا ہے:

1- کتاب وسنت سے براہِ راست استدلال:

2- دلائل وشواہد کا التزام: علامہ محمد رئیس ندوی رحمہ اللہ نہ صرف یہ کہ بڑے قوی حافظہ کے مالک تھے بلکہ اللہ رب العزت نے آپ کو نصوص کے استحضار کا خصوصی ملکہ بھی عطا فرمایا تھا، جس کی وجہ سے آپ برملا اور بروقت نصوص پیش کرنے میں مہارت رکھتے تھے، اس سے آپ کے اقوال وآرا کی اہمیت دوچند ہوجاتی تھی۔

علامہ محمد رئیس رحمہ اللہ کے فتاوی کی ایک اہم خصوصیت یہ ہے کہ آپ دلائل کی

روشنی میں فتوی صادر کرتے ہیں اور چونکہ فتوی کی طبیعت اختصار کا متقاضی ہوتی ہے، اس لیے اس کی رعایت کرتے ہوئے اختصار کے پیش نظر فتوی تحریر کرتے وقت عموماً ایک دو دلائل ذکر کرنے پر اکتفا کرتے ہیں، لیکن بعض استفتا کے جواب میں آپ نے متعدد دلائل اور شواہد کا بھی ذکر کیا ہے، اسی طرح آپ حسبِ ضرورت سلف صالحین اور ائمۂ دین کے اقوال وآرا سے استشہادات پیش کرتے ہیں اور سلف وخلف میں سے جن ائمہ کے اقوال بکثرت نقل کرتے ہیں ان میں سے بعض یہ ہیں: علامہ ابن تیمیہ، ابن القیم، ابن حجر، علامہ شوکانی، امام البانی، عبدالرحمٰن مبارکپوری صاحب تحفۃ الاحوذی اور شیخ الحدیث عبیداللہ رحمانی، وغیرہ رحمہم اللہ۔

3-صحتِ ادلہ کا اہتمام: محققین اہلِ علم کے نزدیک دین کے تمام ابواب میں ضعیف احادیث سے استدلال درست نہیں ہے، چاہے ان کا تعلق عقائد سے ہو، یا عبادات سے یا معاملات سے اور چاہے حلال وحرام سے ہو یا ترغیب وترہیب سے۔ کیونکہ کسی بھی دینی مسئلہ میں ضعیف حدیث حجت نہیں ہے۔ ہمارے لیے صحیح احادیث کافی ہیں۔

فاتحہ خلف الامام سے متعلق ایک استفتا کے جواب میں عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ کی روایت ذکر کرنے کے بعد کہتے ہیں: ''رواہ الترمذی، وابو داود، واحمد، والدارقطنی، وغیرام بسند صحیح'' (رجسٹر ۱۱ ص 62 فتوی ۳۵)۔

4-مختصر تخریج حدیث: احادیث سے استدلال کرتے ہوئے آپ کبھی صرف ان کا مفہوم ذکر کرنے پر اکتفا کرتے ہیں اور کبھی انھیں باللفظ نقل فرماتے ہیں، ثانی الذکر طریقے میں عموماً احادیث کی مختصر تخریج بھی کرتے ہیں اس طرح کہ مصدر کا نام، جلد نمبر، صفحہ نمبر اور حدیث نمبر لکھتے اور کبھی صرف بنیادی مصادر کا ذکر کرنے پر اکتفا کرتے ہیں، چنانچہ ایک فتوی میں رقم طراز ہیں:

''اسی سند سے یہ روایت الفاظ ذیل کے ساتھ بھی مروی ہے: ''فلا تقروا بشئیٍ من القرآن اذا جهرت الا بام القرآن ''یعنی جب امام جہر کے ساتھ نماز پڑھے تو تم فاتحہ کے علاوہ مزید قرآن مت پڑھو۔ (جزء القراءۃ للبیہقی ص 42-43، جزء القراء للبخاری ص 15 حدیث 59، وسنن دارقطنی ج 1 ص 121، سنن بیہقی ج 2 ص 164)'' (ماہنامہ محدث، مئی 1992ء ص 44-45)۔

5-تعصب سے اجتناب: جماعت اہل حدیث ہر طرح کے مسائل کے حل لیے کتاب وسنت کو اصل سرچشمہ مانتی ہے، قرآن وحدیث کے مقابلے میں آرائے رجال کو کوئی اہمیت نہیں دیتی ہے، نصوصِ شرعیہ کو سلف صالحین کے فہم کے مطابق سمجھتی ہے اور اسی کی طرف لوگوں کو دعوت دیتی ہے۔

اس جماعت کے مذکورہ بالا طرۂ امتیاز کی جھلک علامہ محمد رئیس ندوی رحمہ اللہ کے فتاوی میں واضح طور پر نظر آتی ہے، آپ دلائل کی روشنی میں کوئی بات کہتے ہیں، ائمہ کے اقوال وفرمودات اور مذاہب وآرا سے استشہاد کرتے ہیں، مگر اختلاف کی صورت میں بلا تعصب جس کا قول کتاب وسنت کی روشنی میں راجح یا درست ہوتا ہے، اسے بلا جھجک پیش کرتے ہیں۔

6-فتوی نویسی میں احتیاط: آپ مستفتی کے سوال کو جب تک اچھی طرح سمجھ نہ لیتے جواب نہ دیتے، اگر سوال غیر واضح ہوتا تو جواب میں لکھ دیتے کہ استفتاء وضاحت طلب ہے، یا اس کی فلاں عبارت غیر واضح ہے۔ کبھی فرماتے کہ اگر مستفتی کی یہ بات صحیح ہے تو اس کا یہ جواب ہے۔ چنانچہ ایک استفتا کے جواب میں رقم طراز ہیں:

''اگر استفتاء میں لکھی ہوئی باتیں بالواقع زید کے اندر پائی جاتی ہیں، تو وہ شریعت کی نظر میں فاسق ہے'' ۔(رجسٹر 11 ص 104 فتو 93؟)۔

7-قوتِ استنباط: قرآن وحدیث سے مسائل کے استنباط واستخراج میں آپ کو زبردست مہارت حاصل تھی، جو آپ کی فقہی بصیرت کی واضح دلیل ہے، نصوص شرعیہ سے غیر منصوص احکام کا استنباط بآسانی کرتے تھے۔ آپ کے بیشتر فتاوی اس پر شاہد عدل ہیں۔

8-اطمینان بخش جواب: آپ کے فتاوی کی اہم ترین خصوصیات میں سے ہے کہ آپ دلائل سے مزین نہایت دوٹوک انداز میں استفتا کا جواب دیتے تھے، جس سے مستفتی کو تشفی ہوجاتی اور قلبی اطمینان حاصل ہوجاتا۔

9-اختصار وایجاز: علامہ محمد رئیس ندوی رحمہ اللہ کی عام تحریروں میں اطناب وطولانی کی آمیزش صاف جھلکتی ہے، آپ اپنے مقصود کو مختلف پیرائے میں بیان کرتے ہوئے دلائل کا انبار لگا دیتے ہیں، تاکہ قاری کے دماغ میں آپ کی بات پوری طرح ذہن نشین ہوجائے، لیکن فتوی میں آپ کا اسلوب عام تحریروں سے بالکل مختلف ہوتا تھا، آپ انتہائی مختصر اور جامع فتوی دیتے تھے، یہاں تک کہ بعض اوقات آپ نص شرعی کو نہ ذکر کے صرف اس کا مدلول ذکر فرماتے تھے، جیسا کہ اکثر مفتیان کرام یہ اسلوب اختیار کرتے ہیں۔

مسئلہ قرأت بعد الفاتحہ سے متعلق ایک استفتا کے جواب میں لکھتے ہیں:

''یہ فتوی ساری تفاصیل اور جزئیات کا محتمل نہیں ہوسکتا، لہٰذا فی الوقت مختصر سے جواب پر اکتفا کیا جارہا ہے'' ۔(ماہنامہ محدث، مئی 1992ء ص 43)۔

ایک دوسری جگہ رقم طراز ہیں: ''مذکورہ بالا معنی ومفہوم کی بہت ساری احادیث نبویہ موجودہ ہیں، مگر اختصار کے پیشِ نظر صرف اسی حدیث کی نقل پر اکتفا کرتے ہیں اور عمل کے لیے ایک حدیث کافی ہے'' ۔(رجسٹر 11 ص 96 فتوی 86)۔

10-اختلافی مسائل میں ترجیح: آپ رحمہ اللہ اپنے فتاوی میں عموماً قول راجح مع دلیل ذکر کرنے کا اہتمام کرتے ہیں، لیکن بعض دفعہ صورت مسئولہ میں پائے جانے والے ائمہ کے اختلاف کو ذکر کرنے کے بعد کسی ایک کو راجح قرار دیتے ہیں، نیز وجہ ترجیح کی بھی نشاندہی کرتے ہیں۔

11-فقہ حنفی کا حوالہ: علامہ ندوی رحمہ اللہ استفتا کے جواب میں بعض دفعہ

کتاب وسنت اور اقوال سلف کی روشنی میں استفتاء کا جواب دینے کے ساتھ مستفتی کی بعض فقہی کتابوں اور ان میں مذکور فتاوی کا بھی حوالہ دیتے تھے تاکہ اسے اطمینان حاصل ہوجائے اور آپ کا جواب قبول کرنے میں کوئی تردد نہ ہو۔

چنانچہ ایک استفتا کے جواب میں تحریر فرماتے ہیں:

''فقہ حنفی کی کتاب'' جامع الفتاوی نیز ''تحفۃ الصلحاء'' میں بھی اس مسئلہ کے بارے میں مذکور بالا فتوی دیا گیا ہے''۔(رجسٹر 11 ص62 فتوی 53)۔

12-تفصیل کے لیے بعض اہم کتب کی طرف رہنمائی: علامہ ندوی رحمہ اللہ بعض اوقات اختصار کے ساتھ استفتا کا جواب دینے کے بعد مزید معلومات کے لیے کسی کتاب کا حوالہ بھی دیتے تھے، جیسا کہ طلاق سے متعلق ایک مسئلہ کا جواب دینے کے بعد فرماتے ہیں:

''اور مفصل بحث جامعہ سلفیہ بنارس کی طرف سے شائع شدہ کتاب'' تنویر الآفاق فی مسئلہ الطلاق'' میں موجود ہے، اس کتاب کا مطالعہ کریں''(رجسٹر 13 ص 159 فتوی 140)۔

ایک اور فتوی میں لکھتے ہیں: ''اہلِ ذوق حضرت مولانا عبدالسلام بستوی شیخ الحدیث ریاض العلوم مرحوم کی ''کتاب الجمعہ'' کا مطالعہ کریں تو کافی ہوگا''۔(رجسٹر 11 ص111 فتوی 97)۔

13-بعض فتاوی پر استدراک: استفتا میں اگر کسی عالم کے فتوی کا ذکر ہے اور آپ کی نظر میں وہ فتوی درست نہیں ہے تو آپ اس پر استدراک کرتے اور اس کے اندر موجود خامیوں کو اجاگر کرتے، پھر دلائل کی روشنی میں درست فتوی دیتے، جیسے عقیقہ میں اونٹ اور گائے کے جواز سے متعلق ایک فتوی پر استدراک کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''صحیفہ اہلِ حدیث سے جو فتوی نقل کیا گیا ہے ہم اس سے متفق نہیں ہیں یعنی عقیقہ میں اونٹ، گائے کا جواز ہمارے نزدیک محلِ نظر ہے، اس لیے کہ طبرانی سے حضرت انس کی جو روایت نقل کی جاتی ہے وہ انتہائی ضعیف ہے''(رجسٹر 9/ص12 فتوی 18)، پھر اس حدیث کے ضعف کو مفصل انداز میں بیان کرکے یہ ثابت کیا کہ گائے، بیل اور اونٹ وغیرہ کا عقیقہ ثابت نہیں ہے، بلکہ عقیقہ میں بکری اور مینڈھا ہی متعین ہے۔

14-فتاوی کے ذریعہ مسلکِ اہل حدیث کی ترویج واشاعت: علامہ محمد رئیس ندوی رحمہ اللہ کے اندر مسلکِ اہل حدیث اور سلفیت کے لیے بڑی حمیت وغیرت تھی۔ آپ ہر وقت حق بات کہنے میں بڑے بے باک اور جری واقع ہوئے تھے، کسی ملامت گر کی ملامت کی قطعاً پرواہ نہیں کرتے تھے حتی کہ بعض اوقات جب آپ اپنے غیر مسلم معالج کے پاس جاتے تو موقع ملتے ہی اس کے سامنے بھی دینِ اسلام کی خوبیاں بیان کرنے لگتے اور اسے حق کی دعوت دیتے یا کسی پر بات پر تنبیہ کرتے، الغرض مسلک حق کی ترویج واشاعت کے ہر موقع کو آپ غنیمت جانتے تھے، آپ کے فتاوی کے مطالعہ سے بھی یہ بات مترشح ہوتی ہے کہ بعض اوقات آپ صرف استفتا کے جواب پر اکتفا نہیں کرتے تھے۔

وقت کی اہم ترین ضرورت: جامعہ سلفیہ کے فتاوے عموماً اور خاص طور پر علامہ محمد رئیس ندوی رحمہ اللہ کے فتاوے بے حد اہم اور وقیع ہیں، انھیں زیورِ طبع سے آراستہ کرنا اور انٹرنیٹ اور سوشل میڈیا وغیرہ پر فراہم کرنا وقت کی اہم ترین ضرورت ہے، آج لوگ دلائل سے مزین صاف وشفاف فتاوی کی تلاش میں ہیں، لیکن جب اردو داں طبقہ انٹرنیٹ پر کوئی مسئلہ سرچ کرتا ہے، تو انھیں اکثر ایسے فتاوی سے سامنا ہوتا ہے، جو دلائل سے خالی ہوتے ہیں، اردو میں غیر جانبدارانہ اور خالص کتاب وسنت کی روشنی میں صادر فتاوی کم ملتے ہیں، ایسے میں ضرورت ہے کہ اس جانب خصوصی توجہ دی جائے اور اس فقہی ذخیرہ کو منظر عام پر لایا جائے، تاکہ سبھی لوگ اس سے مستفید ہوسکیں۔ اللہ اس کی طباعت کی راہ آسان فرمائے۔ آمین۔

ایک قابلِ توجہ امر: علامہ محمد رئیس ندوی رحمہ اللہ کے تحریر کردہ زیادہ تر فتاوے جامعہ سلفیہ کے ریکارڈ کے مطابق رجسٹر نمبر گیارہ میں درج ہیں، مگر اس رجسٹر کی حالت انتہائی خستہ ہے، کافی بوسیدہ ہوچکا ہے، ورق گردانی بے حد مشکل ہے، ہاتھ لگاتے ہی کاغذات ٹوٹنے لگتے ہیں، بیشتر صفحات ٹوٹ کر جلد سے الگ ہوچکے ہیں، بعض صفحات کے کچھ ٹکڑے غائب بھی ہوگئے ہیں، اگر فی الفور ان فتاوی کو از سرِ نو تحریر کرنے کا اہتمام نہ کیا گیا، تو عنقریب یہ صفحات اپنی افادیت کھوچکیں گے اور یادِ ماضی بن کر رہ جائیں گے۔

جامعہ سلفیہ کے پرشکوہ علمی ماحول میں راقم الحروف کو علامہ محمد رئیس ندوی رحمہ اللہ سے ملاقات اور علمی استفادہ کا بارہا موقع ملا، مگر باقاعدہ درس نظامی میں آپ سے کسی کتاب کے پڑھنے کا شرف حاصل نہ ہوسکا کیونکہ علالت ونقاہت کی وجہ سے علامہ رحمہ اللہ کے لیے اپنے تدریسی زمانے کے آخری سالوں میں گھر سے بار بار نیچے اترنا کافی دشوار تھا اس لیے آپ صرف فضیلت سالِ آخر کے طلبہ کو اپنے کمرے میں جو دار الضیافہ کی دوسری منزل پر تھا بلا کر صحیح البخاری کا درس دیتے تھے۔ یہ سلسلہ چند سالوں تک جاری رہا بالآخر سنہ 2005ء میں یہ بھی منقطع ہوگیا، مجھے آپ کے سامنے زانوئے تلمذ تہ کرنے کا موقع نہ مل سکا کیونکہ 1999ء میں جامعہ سلفیہ سے عالمیت کی ڈگری حاصل کرنے کے بعد فضیلت سالِ اول میں ششماہی امتحان کے بعد شہر ممبئی میں جامعہ اسلامیہ، مدینہ منورہ کی جانب سے منعقدہ دورۂ تدریبیہ میں شرکت کے بعد بفضلہ تعالی جامعہ اسلامیہ، مدینہ طیبہ میں داخلہ ہوگیا تھا، والحمد للہ۔

البتہ جامعہ سلفیہ میں اپنی چھ سالہ تعلیمی مدت کے دوران ممدوح رحمہ اللہ کی مختلف تقاریر، خطابات اور توجیہات سے استفادے کا مجھے خوب خوب موقع ملا، والحمد للہ علی ذلک، اللہ کے آپ کی مساعی جلیلہ کو شرفِ قبولیت بخشے اور جنت میں اعلی مقام عطا فرمائے۔ آمین۔

☆☆☆

مدرسہ اسلامیہ سلفیہ موئرا کوچی دھبری آسام میں اجلاس عام: 4فروری2025 کو مدرسہ اسلامیہ سلفیہ موئرا کوچی میں ایک عظیم الشان اجلاس منعقد ہوا، جس میں مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند کے امیر اصغرعلی امام مہدی سلفی مدنی حفظہ اللہ بحیثیت صدر شریک رہے۔ان کی آمد مدرسے کے لیے ایک تاریخی موقع تھا، جس سے نہ صرف طلبہ اور اساتذہ بلکہ عوام میں بھی ایک نیا جوش اور دینی جذبہ پیدا ہوا۔

امیر محترم نے شام کے وقت مدرسہ پہنچ کر ادارے کا معائنہ کیا۔تعلیمی ماحول، طلبہ کی محنت اور اساتذہ کی کاوشیں دیکھ کر مسرت کا اظہار کیا انھوں نے کہا کہ یہ مدرسہ دین کی روشنی کو عام کرنے میں نمایاں کردار ادا کر رہا ہے، اور یہاں کے لوگ دین سے گہرا لگاؤ رکھتے ہیں۔

اپنی تقریر کے دوران امیر محترم نے اپنے پرانے احساسات کو تازہ کرتے ہوئے کہا: کہ آج سے 20 سال پہلے جب میں آسام آیا تھا، تو میں نے ایک وسیع کھلے میدان میں خطاب کیا تھا۔سیکڑوں کی تعداد میں لوگ وہاں جمع تھے، جو پوری رات میری تقریر سنتے رہے۔فجر تک یہ سلسلہ جاری رہا، اور میں نے محسوس کیا کہ یہاں کے لوگوں کے دلوں میں دین کی سچی محبت ہے۔آج دوبارہ یہاں آکر وہی محبت اور جوش دیکھ کر مجھے خوشی ہو رہی ہے انھوں نے مدرسہ کے اساتذہ اور طلبہ کی ہمت افزائی کرتے ہوئے کہا کہ یہ ادارہ علم و معرفت کا ایک مضبوط قلعہ ہے، اور عوام کو اس کا تعاون کرنا چاہیے تا کہ یہ مزید ترقی کرے۔

امیر محترم نے اپنی تقریر میں مدرسہ کے ڈائریکٹر ہاشم علی بیوپاری کا بھی ذکر کیا اور ان کے ساتھ اپنی دیرینہ دوستی کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا کہ ہاشم علی بیوپاری میرے پرانے دوستوں میں سے تھے۔جب بھی انکا دہلی آنا ہوتا، وہ مجھ سے ملاقات کے لیے ضرور آتے۔وہ ایک باوقار اور جفاکش شخصیت تھے، جن کی خدمات ہمیشہ یاد رکھی جائیں گی۔ان کے انتقال کی خبر سن کر مجھے بے حد افسوس ہوا۔

اگلے دن شیخ نے آس پاس کے کئی علاقوں کا دورہ کیا اور وہاں کے دینی و تعلیمی حالات کا جائزہ لیا۔ان کا سفر بنگلہ دیش کی سرحدوں تک بھی پہنچا، جہاں انہوں نے حالات کا قریب سے مشاہدہ کیا اور علاقے کے لوگوں کے دین سے تعلق کی ستائش کی۔

یہ اجلاس ایک تاریخی لمحہ تھا، جس نے مدرسے کے طلبہ، اساتذہ اور عوام میں ایک نئی روح پھونکی۔شیخ کی تقریر نے دین سے محبت کو مزید تقویت بخشی اور اعمال کی روشنی کو پھیلانے کا نیا عزم پیدا کیا۔

وفات حسرت آیات: میرے بڑے بھائی عبیداللہ انصاری ولد عبداللہ انصاری کانیوارہ ضلع سیونی مدھیہ پردیش مختصر بیماری کے بعد 7 فروری بروز سنیچر صبح قریب ساڑھے 6 بجے-84 سال کی عمر میں اپنے مالک حقیقی سے جا ملے انا للہ وانا الیہ راجعون۔مرحوم بہت خوش مزاج، ملنسار، اچھے اخلاق کے مالک تھے، 11 بہن-بھائیوں میں دوسرے نمبر پر سب سے بڑے تھے۔اپنے پیچھے۔اہلیہ، 7 بیٹے اور 5 بیٹیاں پوتے پاتی نواسے نواسی چھوڑ گئے۔نماز جنازہ بعد نماز عصر مولانا صادق الرحمٰن فیضی حفظہ اللہ نے پڑھائی ضلع سیونی کے تمام دور دراز علاقوں سے عزیز و عقارب نے نماز جنازہ میں شرکت کی دیگر شہروں سے تمام رشتے دار شریک رہے۔بعد نماز جنازہ گاؤں کے قبرستان میں مدفون کئے گئے اللہ مرحوم کی لغزشیں خطائیں معاف فرمائے گناہوں کو نیکیوں میں بدل دے درجات بلند فرمائے اور جنت الفردوس میں اعلی جگہ عطاء فرمائے آمین۔(ابو ارشد انصاری امیر ضلعی جمعیت اہلحدیث جبلپور و رکن مجلس شوری، مرکزی جمعیت اہلحدیث الھند و متولی مسجد محمدی اہلحدیث پانی کی تلیا گوہل پور جبلپور مدھیہ پردیش)

نیپال کی قدیم دینی دانشگاہ جامعہ سراج العلوم السلفیہ جھنڈا نگر کے سابق موقر استاذ اور بزرگ عالم دین مولانا فضل حق مدنی مبارک پوری صاحب کا انتقال پُر ملال: نہایت ہی رنج و افسوس کے ساتھ یہ خبر سنی گئی کہ نیپال کی قدیم دینی دانشگاہ جامعہ سراج العلوم السّلفیہ جھنڈا نگر کے سابق موقر استاذ اور بزرگ عالم دین مولانا فضل حق مدنی مبارک پوری صاحب کا بتاریخ 11/فروری 2025ء بوقت تقریبا ساڑھے گیارہ بجے شب طویل علالت کے بعد بعمر تقریبا 70 / سال دہلی میں انتقال ہو گیا۔انا للہ وانا الیہ راجعون۔

مولانا فضل حق مدنی صاحب کو اللہ تعالی نے بڑی خوبیوں سے نوازا تھا۔آپ نیک طبع، خلیق و ملنسار، علم دوست، طلبہ نواز اور علماء کے قدر داں تھے۔جامعہ سلفیہ بنارس اور جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ کے فارغ التحصیل تھے۔فراغت کے بعد آپ نے پوری زندگی درس و تدریس اور دعوت و تبلیغ کے لیے وقف کردی۔بیالیس سال تک جامعہ سراج العلوم السّلفیہ جھنڈا نگر میں تدریسی خدمات انجام دیں۔دعوت و تبلیغ کے کاز سے کافی شغف تھا۔دیگر علوم دینیہ کے ساتھ ساتھ علم فرائض اور عروض میں بھی ملکہ حاصل تھا۔کبھی کبھی شاعری بھی کرتے تھے۔آپ کے شاگردوں کی بڑی تعداد ہے جو آپ کے لیے صدقہ جاریہ ہیں۔مجھ ناچیز سے بڑی محبت فرماتے تھے اور ملاقاتوں میں بڑی دعائیں دیتے تھے۔

آپ کے پسماندگان میں بیوہ، چھ حفاظ و عالم فاضل صاحب زادگان مولانا صہیب حسن مدنی، مولانا حامد حسن فلاحی، مولانا راشد حسن سلفی، مولانا حمید حسن سلفی، مولانا خبیب حسن سلفی، مولانا محمود حسن سلفی اور دو صاحبزادیاں ہیں۔

تدفین آج ہی بوقت نو/ بجے شب آبائی وطن مبارک پور، یو پی کے قبرستان شاہ پنجے میں عمل میں آئے گی۔ ان شاءاللہ۔

اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت فرمائے، لغزشوں سے درگذر کرے، خدمات کو شرف قبولیت بخشے اور ان کے لیے صدقہ جاریہ بنائے، ان کو جنت الفردوس کا مکین بنائے اور جملہ پسماندگان و متعلقین کو صبر وسلوان عطا فرمائے۔ آمین۔ (دعا گو: اصغر علی امام مہدی سلفی، امیر مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند)

مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند کے سابق امیر اور ہندوستان کی قدیم دینی دانشگاہ دارالعلوم احمدیہ سلفیہ دربھنگہ بہار کے سابق ناظم اعلی ڈاکٹر سید عبد الحفیظ سلفی رحمہ اللہ کے منجھلے صاحبزادے ڈاکٹر حافظ سید عبد الحکیم صاحب کا انتقال

پُر ملال: نہایت ہی رنج وافسوس کے ساتھ یہ خبر سنی گئی کہ مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند کے سابق امیر اور ہندوستان کی قدیم دینی دانشگاہ دارالعلوم احمدیہ سلفیہ دربھنگہ بہار کے سابق ناظم اعلی ڈاکٹر سید عبدالحفیظ سلفی رحمہ اللہ کے منجھلے صاحبزادے، سلفیہ یونانی میڈیکل کالج کے جوائنٹ سکریٹری اور اپنے والدگرامی اور بھائیوں کے شانہ بشانہ قومی وملی اور جماعتی کاموں میں پیش پیش رہنے والے اور دارالعلوم اور دیگر تعلیمی وطبی اداروں کے موجودہ ذمہ داران کی سرپرستی فرمائے والے معروف معالج ڈاکٹر حافظ سید عبدالحکیم صاحب کا آج بتاریخ 17/فروری 2025ء بوقت آٹھ بجے شب طویل علالت کے بعد بعمر تقریبا 80 / سال انتقال ہوگیا۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔

ڈاکٹر سید عبدالحکیم صاحب کو اللہ تعالی نے بڑی خوبیوں سے نوازا تھا۔ آپ نیک طبع، خلیق وملنسار، علم دوست، مہمان نواز، علماء کے قدرداں اور معروف ومشہور فرید ہاؤس کی اعلی دینی وملی اور جماعتی اقدار وروایات کے امین تھے۔ پیشہ سے اپنے دادا ڈاکٹر سید فرید، والد گرامی، بڑے بھائی ڈاکٹر سید عبدالعزیز سلفی رحمہ اللہ اور چھوٹے بھائی ڈاکٹر سید عبدالحلیم رحمہ اللہ کی طرح ڈاکٹر تھے۔ خان چوک پر کلینک تھی۔ قرآن کریم کے اچھے حافظ تھے۔ جب تک صحت مند رہے ماہ صیام میں فرید ہاؤس میں نماز تراویح پڑھاتے رہے۔ سلفیہ یونانی میڈیکل کالج کے قیام میں اہم رول ادا کیا۔ جماعتی کاز سے بڑی دلچسپی رکھتے تھے۔ اور مجھ ناچیز سے بڑی محبت فرماتے تھے۔ بڑے تپاک سے ملتے تھے۔ جمعیت کی متنوع سرگرمیوں کے بارے میں سن کر بہت خوش ہوتے تھے، دعائیں دیتے تھے اور ہمت افزائی فرماتے تھے۔ ان کا انتقال ملک وملت اور جماعت کا خسارہ ہے۔

آپ کے پسماندگان میں بیوہ، تین لائق وفائق صاحب زادگان انجینئر سید شاہد حسنین، ڈاکٹر حافظ سید شاد محسن، سید شارق حسین اور دو صاحبزادیاں ہیں۔

تدفین کل مورخہ 18 /فروری 2025 کو بعد نمازِ مغرب 30:06 بجے شام آبائی وطن دربھنگہ بہار کے قبرستان چک زہرہ میں عمل میں آئی۔

اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت فرمائے، لغزشوں سے درگذر کرے، خدمات کو شرف قبولیت بخشے، ان کو جنت الفردوس کا مکین بنائے اور جملہ پسماندگان و متعلقین اور بھتیجے سید محمد اسماعیل خرم صاحب ناظم صوبائی جمعیت اہل حدیث بہار و ناظم دارالعلوم احمدیہ سلفیہ دربھنگہ، معروف معالج ڈاکٹر فیصل یوسف، ڈاکٹر سید ندیم وغیرہم کو صبر وسلوان عطا فرمائے۔ آمین۔ (شریک غم ودعا گو: اصغر علی امام مہدی سلفی، امیر مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند)

بھائی انعام الحق جمیل احمد صاحب کا انتقال

پُر ملال: نہایت ہی رنج وافسوس کے ساتھ یہ خبر سنی گئی کہ میرے چچازاد مولانا انعام الحق فیضی صاحب کا بتاریخ 18 /فروری 2025ء بوقت ا بجے شب طویل علالت کے بعد بعمر تقریبا52 / سال انتقال ہوگیا۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔ آپ حافظ قرآن، جامعہ سلفیہ کے تعلیم یافتہ اور میرے شاگرد تھے۔ اللہ تعالی نے بڑی خوبیوں سے نوازا تھا۔ آپ نیک طبع، خلیق وملنسار، علم دوست، مہمان نواز، علماء کے قدرداں، کم گو تھے ان کا انتقال ہم سب کے لے خسارہ ہے۔ آپ کے پسماندگان میں والدہ، بیوہ، اور صاحبزادے وصاحبزادیاں ہیں۔

تدفین کل مورخہ 18 /فروری 2025 کو آبائی وطن برندابن، مغربی چمپارن، بہار کے آبائی قبرستان میں عمل میں آئی۔ اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت فرمائے، لغزشوں سے درگذر کرے، خدمات کو شرف قبولیت بخشے، ان کو جنت الفردوس کا مکین بنائے اور جملہ پسماندگان و متعلقین وغیرہم کو صبر وسلوان عطا فرمائے۔ آمین۔ (غم زدہ: اصغر علی امام مہدی سلفی، امیر مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند)

مکتبہ ترجمان کی

نصابی کتابیں

چمن اسلام قاعدہ	36/-
چمن اسلام اول	30/-
چمن اسلام دوم	36/-
چمن اسلام سوم	40/-
چمن اسلام چہارم	40/-
چمن اسلام پنجم	50/-
چمن اسلام مکمل سیٹ	232/-

اعلان داخلہ

المعهد العالي للتخصص فی الدراسات الاسلامية

مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند کے زیر اہتمام اہل حدیث کمپلیکس اوکھلائی دہلی میں قائم اعلیٰ تعلیمی وتربیتی ادارہ
''المعہد العالی للتخصص فی الدراسات الاسلامیۃ'' میں نئے تعلیمی کلینڈر (2026-2025) کے مطابق امسال نئے سیشن کے لئے

9/اپریل 2025ء مطابق 10/ شوال المکرم 1446ھ بروز بدھ تا 13/اپریل 2025ء
مطابق 14/شوال المکرم 1446ھ بروز اتوار داخلہ لیا جائے گا۔ ان شاءاللہ

شرائط داخلہ:

● امیدوار کسی معتبر سلفی ادارہ سے فارغ التحصیل (سند فضیلت یافتہ) ہو۔ ● دین کی خدمت اور دعوت کا جذبہ فراواں رکھتا ہو۔ ● آخری سال میں امتیازی نمبرات حاصل کیے ہوں۔ ● فراغت پر دو سال سے زیادہ کی مدت نہ گزری ہو۔ ● جس ادارہ سے فارغ ہو اس سے امیدوار کے حسن السیرۃ والسلوک پر کم از کم دو اساتذہ کی تصدیق ہو۔ ● اسلامی وضع قطع کا پابند ہو ● الیکشن آئی کارڈ یا آدھار کارڈ یافتہ ہو ● مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند کی کسی ذیلی جمعیت کی طرف سے سفارش کی گئی ہو۔ ● تحریری وتقریری امتحان میں کامیابی کے بعد ہی داخلہ لیا جائے گا۔ داخلہ کے لیے اصل اسناد پیش کرنا ضروری ہے۔

خصوصیات:

● خوشگوار ماحول میں عمدہ تعلیم۔ ● دعوت وافتاء کی عملی مشق۔ ● مقالات وبحوث لکھنے کی تربیت۔ ● انگریزی اور کمپیوٹر کی تعلیم کا معقول بندوبست ● علیحدہ کشادہ کمپیوٹر لیب ● ماہر اساتذہ کی ایک ٹیم۔ ● وقتاً فوقتاً جدید موضوعات پر ماہرین کے توسیعی خطبات۔ ● ہر طالب علم کو ماہانہ وظیفہ ● بہترین رہائشی انتظامات ● ڈائننگ ہال میں کھانے کا نظم۔ ● مطالعہ کے لیے لائبریری جس میں مصادر ومراجع کی کتابیں کثیر تعداد میں موجود ہیں۔ ● کھیل کود کے لیے وسیع میدان۔

درخواست موصول ہونے کی آخری تاریخ: 5/اپریل 2025ء

اپنی درخواست مع تصدیقات ونقول اسناد درج ذیل پتہ پر ارسال کریں۔

''المعهد العالي للتخصص فی الدراسات الاسلامية''

اہل حدیث کمپلیکس، ڈی۔۲۵۴، ابوالفضل انکلیو، جامعہ نگر، نئی دہلی۔۲۵
فون نمبر:۔ 23273407 -011، موبائل: 9213172981 ,09560841844

شعبۂ تعلیم و تربیت:

مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند

رمضان المبارک کے موقع پر اپنے صدقات و خیرات کا ایک حصہ
مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند
کو دینا نہ بھولیں

مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند، ہندوستان میں اہل حدیثوں کا نمائندہ پلیٹ فارم ہے، جو اپنے اہداف و مقاصد کی روشنی میں منصوبوں اورعزائم کی تکمیل میں کوشاں ہے۔اس کی دعوتی وتبلیغی،تعلیمی وتربیتی،علمی وتحقیقی،تحریری وصحافتی اوررفاہی وسماجی خدمات کا ایک طویل سلسلہ جاری ہے۔سیمیناروں،کانفرنسوں اور مسابقوں کا انعقاد،مختلف زبانوں میں جرائدورسائل کی طباعت،تفسیر،حدیث نیز اہم ترین دینی وتربیتی اورنصابی کتابوں کی اشاعت کا کام پابندی سے ہورہاہے۔اہل حدیث کمپلیکس اوکھلائی دہلی کے عظیم تعمیری پروجیکٹ کی دوسری منزل اوراہل حدیث منزل واقع علاقہ جامع مسجد دہلی کی چوتھی منزل کی تسقیف (چھت کی ڈھلائی) کا کام ہوا چاہتا ہے۔جن کی وجہ سے جمعیت کے مصارف بہت زیادہ بڑھ گئے ہیں اور یہ تمام کام اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم کے بعداہل خیرحضرات اورمحسنین ومخلصین کے تعاون سے ہی انجام پارہے ہیں۔اس پرہم اللہ تعالیٰ کے شکرگزار ہیں، پھراپنے محسنین ومخلصین کے بھی، جنہوں نے کسی نہ کسی ناحیہ سے مرکزی جمعیت کی تعمیروترقی میں حصہ لیاہےاوراس کے منصوبوں کی تکمیل میں آج بھی جدوجہد جاری رکھے ہوئے ہیں۔

تمام اہل خیرمحسنین ومخلصین سے مؤدبانہ اپیل ہے کہ رمضان المبارک کے موقع پرمرکزی جمعیت کے تمام شعبوں کی فعالیت کو برقراررکھنےاورتعمیراتی سرگرمیوں کوآگے بڑھانے کے لیے جمعیت کے ذمہ داروں اورکارکنوں کے ساتھ بھرپورتعاون فرمائیں۔وہ آپ کی خدمت میں حاضرہوں گےاوراگران میں سےکوئی آپ کی خدمت میں نہ پہنچ سکےتواپناتعاون براہ کرم مرکزی جمعیت کے دفترکوارسال فرمائیں۔اللہ آپ کی نیکیوں کوقبول فرمائے۔(آمین)

ڈرافت یاچیک صرف "Markazi Jamiat Ahl-e-Hadees Hind" کے نام سےہی بنائیں۔

A/c No.629201058685 (ICICI Bank) Chandni Chowk Branch

(RTGS/NEFT/IFSC CODE ICIC0006292)

منجانب: اراکین مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند